تاریخِ وہابیت
حقائق کے آئینے میں

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر

86
ص

ح مكتبة دار السلام، ١٤٢٨ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

الشويعر ، محمد سعد

تاريخ دعوة الشيخ محمد بن عبدالوهاب باللغة الاردية. / محمد سعد الشويعر - الرياض، ١٤٢٨ هـ

ص: ٢٠٠ مقاس: ١٤×٢١ سم

ردمك: ١-٥-٩٩٣٠-٩٩٦٠

١- محمد بن عبدالوهاب بن سليمان، ت ١٢٠٦ هـ ٢- الدعوة السلفية - السعودية أ. العنوان

ديوي ٢١٧,٢ ١٤٢٨/٣٢٨٦

رقم الإيداع: ١٤٢٨/٣٢٨٦

ردمك: ١-٥-٩٩٣٠-٩٩٦٠

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

● طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221

● سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270

● مدینہ منورہ موبائل: 503417155 00966 فیکس: 8151121 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328

● الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 ● ینبع البحر موبائل: 0500887341

شارجہ فون: 5632623 6 00971 **امریکہ** ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001

لندن فون: 4885 539 208 0044 ❷ نیویارک فون: 6255925 718 001

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

❷ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 ❸ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714

Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی

فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937 Email: darussalamkhi@darussalampk.com

F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

تاریخِ وہابیت حقائق کے آئینے میں

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر

نام کتاب: تاریخِ وہابیت حقائق کے آئینے میں

تالیف/ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر

منتظمِ اعلیٰ : عبدالمالک مجاہد

مجلسِ انتظامیہ: حافظ عبدالعظیم اسد (منیجر دارالسلام' لاہور) محمد طارق شاہد

مجلسِ مشاورت: حافظ صلاح الدین یوسف ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر پروفیسر محمد یحییٰ مولانا محمد عبدالجبار

ڈیزائننگ اینڈ السٹریشن: زاہد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)

خطاطی: اکرام الحق

اشاعت اوّل: 2007

// اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے //

مضامین

عرض ناشر

تمنائے سروری بری بات نہیں۔ بڑا آدمی بننے کی آرزو سبھی کو ہوتی ہے لیکن بڑائی کا صحیح معیار کیا ہے؟ اور بڑا آدمی کیسا ہوتا ہے؟ اس بارے میں لوگوں کی رائے مختلف ہے۔ بعض لوگ جاگیرداروں کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں۔ کوئی کارخانوں، کوٹھی بنگلوں اور چمکتی ہوئی کاروں کے مالکوں کو بڑا گردانتا ہے۔ اور کوئی اعلیٰ مناصب پر فائز لوگوں کو بڑا آدمی قرار دیتا ہے۔ بڑائی کے یہ سارے معیار غلط اور نا قابل اعتبار ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کے ایک قریہ جمال ''عُيَيْنَه'' میں 1115ھ میں ایک عالم دین عبدالوہاب کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کا نام محمد رکھا گیا۔ اس نے اپنے نام کی لاج رکھی اور اسی جزیرہ نمائے عرب میں جلوہ آرا ہونے والے اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی ایسی سچی پیروی کی کہ سب کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھ گئیں اور دور و نزدیک کے لوگ اسے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے نامِ نامی سے پکارنے لگے۔ اس طرح انھوں نے بتادیا کہ عظمت کا اصل معیار کیا ہے اور بڑا آدمی کسے کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اپنے عہد کی نہایت ممتاز انقلابی شخصیت تھے۔ وہ بحرِ علوم کے غواص تھے۔ انھوں نے دس برس کی ننھی سی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا، پھر عنفوانِ شباب ہی میں جبکہ عام لوگ عشرتِ شباب کی سرمستیوں کا آغاز کرتے ہیں، انھوں نے قرآن و سنت کے علوم پر ماہرانہ دسترس حاصل کر لی۔ وہ فاضلِ اجل جو اپنی تصانیف کتاب التوحید، سیرت الرسول ﷺ، الاصول الثلاثہ، تہذیب زادالمعاد، کشف الشبہات اور اپنے خطوط کے آئینے

میں بولتا اور موتی رولتا نظر آتا ہے، اس کے آثار فضیلت بے پایاں تھے۔ ان کا اپنے رب سے خاص تعلق تھا۔ وہ اپنی تحریروں میں اللہ رب العزت کی لازوال قوت و جلالت سے اس قدر متاثر دکھائی دیتے ہیں جیسے وہ خود کو ہر وقت حضورِ حق میں موجود پاتے تھے اور اس احساس سے سرشار رہتے تھے کہ وہ لوگوں کے فکر و عمل کو اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی سے منور کرنے پر مامور ہیں۔ یہی احساس ذمہ داری تھا جس کے زیرِ اثر ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین حق کی تبلیغ میں بسر ہوا۔

ان کی روشن سیرت میں جو چیز سب سے زیادہ درخشاں نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ شیخ موصوف بچپن ہی سے کفر، شرک اور بدعت کی نجاستوں سے شدید نفرت کرتے تھے۔ اس باب میں ان کی حمیت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے اساتذۂ کرام میں بھی شانِ توحید کے خلاف کوئی بات پاتے تھے تو انھیں بھی ادب سے ٹوک دیتے تھے۔

حصول علم کے بعد انھوں نے آس پاس نگاہ ڈالی تو مسلمانوں کو کشتیٔ طوفان میں پایا۔ ان کی نگاہ دور دور تک جاتی تھی اور مسلمانوں کی زبوں حالی، بے دینی اور گمراہی پر مضطرب ہو کر لوٹ آتی تھی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ لوگ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں بھی اللہ رب العزت کو یاد نہیں کرتے تھے۔ وہ بدعملی اور بے ہمتی کا شکار تھے۔ حکام کے آگے سر جھکاتے تھے۔ نجومیوں سے قسمت کا حال پوچھتے تھے۔ طوطوں سے فال نکلواتے تھے۔ غیر اللہ کو پکارتے تھے۔ قبروں پر سجدے کرتے تھے۔ چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ کونڈے کھاتے تھے۔ ڈھول بجاتے تھے۔ جادوگروں کے مطیع تھے۔ رسوم و رواج کے پجاری تھے اور غیر اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانیاں دیتے تھے۔ شیخ علیہ الرحمہ نے یہ حالت زار دیکھی تو ان کی رگوں میں غیرت و حمیت کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ انھوں نے معاً اس صورتِ حال کو بدلنے اور مسلمانوں کے عقیدہ و عمل کی اصلاح کے لیے ایک انقلابی تحریک چلانے کا فیصلہ کر لیا۔

سنتے آئے ہیں، بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا۔ وہ اپنے عزم صمیم میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے دینی اور اصلاحی کتابیں لکھیں جن کی روشنی میں دینِ قیم کی اصل تعلیمات اجاگر ہو کر سامنے آئیں اور شرک وبدعت کے غباروں سے ہوا نکلتی چلی گئی۔ انھوں نے بھولی ہوئی سچائیاں یاد دلائیں، علم کی لگن پیدا کی، ذوقِ تحقیق بیدار کیا، وسعت نظر عطا کی اور جہاد کی اہمیت اُجاگر کی۔ جابر سلطانوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت بخشی، ہر جگہ، ہر آن قادر مطلق کی بڑائی اور کبریائی کے اعلان واظہار کا ولولہ موجزن کیا اور اللہ رب العزت کی بندگی اور رسالت مآب ﷺ کی پیروی کی دعوت اتنی شدت اور تواتر سے دی کہ بے خبر عوام کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ گئے اور بے شمار پیشانیاں توحید کی چوکھٹ پر جھک گئیں۔ ان کا اسلوب تبلیغ بڑا آسان اور دل نشین تھا۔ طلبہ کو نرمی اور نوازش سے حکیمانہ باتیں سمجھاتے تھے۔ دشمنوں، کذابوں اور گھناؤنی تہمتیں اچھالنے والوں کے ساتھ حکمت اور تحمل سے پیش آتے تھے۔ آسان مثالیں دیتے تھے۔ قرآن وسنت کے دلائل دے کر بدعات وخرافات کا پردہ چاک کرتے تھے اور حقیقی دینی تعلیمات نمایاں کرتے چلے جاتے تھے۔ حق کے شیدائیوں اور شکوک وشبہات پیش کرنے والوں کے خطوط کا جواب فوراً مرحمت فرماتے تھے۔ دینی معارف سمجھا کر انھوں نے مسلمانوں کے تنِ مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ وہ دین قیم کے لیے جیے اور اسی کی تبلیغ پر مر مٹے۔ 1206 ہجری میں جب وہ اللہ کو پیارے ہوئے تو اپنے پیچھے اللہ کے ایسے مخلص بندے چھوڑ گئے جو نسل در نسل آج بھی کفر، شرک اور بدعت کی آندھیوں سے برسرِ پیکار ہیں اور اپنے خون کی بوندوں سے توحید اور اتباع سنت کے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ جب تک ابولہب کی ذرّیات کے شرارے لپکیں گے، محمد رسول اللہ ﷺ کے فدائی ان کا مقابلہ

کرتے رہیں گے۔ اللہ اللہ! فاسد عقیدوں اور بدعملی کی چٹانیں توڑ کر شیخ کتنا عظیم الشان کام کر گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ یورپ میں تحریک احیائے علوم(Renaissance) کے لیے یورپی سکالروں اور دانشوروں کی اجتماعی دانش نے جتنا کام کیا ہے، اس سے کہیں زیادہ وقیع اور ارفع کام تن تنہا شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے احیائے دین کے لیے کر دکھایا۔

جہانے راو گرگوں کرد یک مردے خود آگا ہے!

زیر نظر بلند پایہ کتاب جو "تاریخ وہابیت حقائق کے آئینے میں" کے زیر عنوان جلوہ گر ہو رہی ہے، درحقیقت شیخ موصوف کی عالی ہمتی اور پُرجوش تبلیغِ حق کی دستاویزی گواہی ہے۔ یہ کتاب مفتیٔ اعظم سعودی عرب کے مشیر ڈاکٹر محمد بن سعد شویعر کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل عبدالحکیم مدنی نے کیا ہے۔ اس کتاب میں ؎

کچھ حقائق ، کچھ معارف، کچھ لطائف کچھ نکات
اس طرح بکھرے پڑے ہیں جیسے تاروں کی برات

فاضل مصنف نے شیخ رحمہ اللہ کی سلفی تحریک پر تھوپے گئے تمام الزامات اور تہمتوں کا حوالہ دیا ہے اور انھیں اپنے مسکت دلائل کی کمک سے دھواں بنا کر اڑا دیا ہے۔ موصوف نے بتایا ہے کہ جونہی شیخ کی سلفی دعوت کی حقیقت نمایاں ہوئی، مسلمان اس کی قدرتی سادگی اور دلکشی پر فدا ہو گئے اور شرک و بدعت سے توبہ کرنے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر بہت سے حلقے چونک پڑے۔ انھیں اپنے مفادات خطرے میں نظر آئے۔ سب سے پہلے ان پیروں فقیروں اور علمائے سوء نے سنگِ ملامت اٹھایا جو مختلف آستانوں اور درباروں میں کاروبارِ شرک و بدعت چمکائے بیٹھے تھے۔ اس دعوت کی گونج سن کر حکام وقت بھی سناٹے میں آ گئے اور یورپ کی سامراجی طاقتیں بھی خوفزدہ ہو گئیں۔ انھیں یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ سلفی دعوت کی بدولت امت مسلمہ بیدار ہو گئی تو ان کے مذموم ارادے اور مسلمانوں کے قیمتی وسائل لوٹنے کے

سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ مطلب یہ کہ سیم و زر کے پجاریوں، اقتدار کے بھوکوں، جاہ و حشم کے متوالوں، پیروں فقیروں، علمائے سوء، حکامِ وقت اور یورپی سامراجی، ان سب کو شیخ علیہ الرحمہ کی دعوت کی کامیابی میں اپنی موت نظر آئی، چنانچہ ان سب نے شیخ کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔

وائے برصید کہ یک باشد و صیادے چند!

یہ لوگ عام مسلمانوں کو سلفی دعوت سے متنفر کرنے کے لیے چاند پر تھوکنے لگے اور دعوتِ حق کے اُجلے چہرے پر غلیظ تہمتوں کے نقاب منڈھنے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سلفی دعوت کا کوئی ایسا نام رکھ دیا جائے جس سے عام مسلمان بدک جائیں اور سلفی دعوت کے قریب نہ پھٹکیں۔ بہت سوچ بچار اور تاریخی کتب و جرائد کی چھان بین کے بعد انھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے برسر پیکار رہنے والے خارجیوں کے اباضی فرقے کی ایک تحریک کا سراغ ملا جو دوسری صدی ہجری میں شمالی افریقہ میں اٹھی تھی۔ اُس تحریک کا بانی خارجی فرقے کا ایک شخص عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم تھا۔ اس شخص کے نام کی مناسبت سے اس کی تحریک کا نام ''وہابیت'' پڑ گیا چونکہ شمالی افریقہ کے مسلمان اس تحریک سے نفرت کرتے تھے، اس لیے شیخ محمد کے مخالفین کو اس کا علم ہوا تو انھیں ایک سنہرا موقع ہاتھ آ گیا۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سلفی دعوت کا نام ''وہابیت'' رکھ دیا۔

شوم فدائے دروغے کہ راست مانند است!

شیخ محمد رحمہ اللہ کی سلفی دعوت کے مخالفین نے اللہ کا خوف بالائے طاق رکھا اور دروغ گوئی کی حد کر دی۔ اگر ان لوگوں میں سچائی کی ایک رمق بھی ہوتی تو یہ شیخ محمد کی سلفی دعوت کو ''محمدیت'' کے نام سے موسوم کرتے۔ مگر وہ ایسا کیوں کرتے؟ ان کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ شیخ کی دعوت و تحریک سے مسلمانوں کو بیزار اور متنفر کیا جائے۔ اگر وہ شیخ محمد کی سلفی تحریک کو شیخ

محمد رحمہ اللہ ہی سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ''تحریک محمدیت'' رکھتے تو یہ آنِ واحد میں قبولِ عامہ کا سب سے اونچا درجہ حاصل کر لیتی اور یہ بات ان کے مقصد کے منافی ہوتی، چنانچہ انھوں نے بارھویں صدی ہجری کی سلفی تحریک کے انتساب کا سہرا شیخ محمد رحمہ اللہ کے بجائے اُن کے والد جناب عبدالوہاب کے سر باندھا اور اس کے ڈانڈے دوسری صدی ہجری کی ''رستمی وہابیت'' سے جا ملائے، پھر نہایت زور وشور سے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ شیخ محمد رحمہ اللہ کی تحریک دراصل خارجیوں کی ''اباضی تحریکِ وہابیت'' کی صدائے بازگشت ہے۔

اس کتاب میں یہ ساری تفصیلات جزئیات سمیت بہ تمام وکمال آ گئی ہیں۔ کتاب کا ہر صفحہ نت نئے انکشاف کا مرقع ہے، خاص طور پر شیخ محمد بن عبدالوہاب کا وہ مکتوب خاصے کی چیز ہے جو موصوف نے بندگانِ درہم و دینار کے جھوٹے پروپیگنڈے اور بے بنیاد الزامات کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ اس مکتوب کے ایک ایک حرف سے سلفی دعوت کی حقانیت، شیخ کی للّٰہیت اور عظمت کا نور چھلک رہا ہے۔

کتاب کے آخر میں سعودی حکومت کے اولین فرمانروا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی دو نہایت اہم تقریریں بھی شامل ہیں جو یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اہل سنت میں سے تھے۔ ان کی ساری طلب اور تڑپ یہ تھی کہ پوری امتِ مسلمہ قرآن وسنت کی اصل کی طرف لوٹ آئے۔ اُن کی سلفی دعوت صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور رسالت مآب ﷺ کی مخلصانہ پیروی سے عبارت ہے اور یہ عظیم دعوت شروع ہی سے ملت اسلامیہ کو زندگی کے اصل مقصد سے روشناس کراتی چلی آ رہی ہے۔ جو لوگ اسے ''وہابیت'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، وہ حقائق سے بے خبر ہیں۔ بصورت دیگر وہ جانے بوجھے ایسی بات کہتے ہیں جو سفید جھوٹ ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ کیجیے۔...... نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد...... اگر آپ بڑے

// عرض ناشر //

آدمی بننا چاہتے ہیں تو آگے بڑھیے، شیخ محمد علیہ الرحمہ کی روشن کی ہوئی مشعل تھام لیجیے۔ دشمنوں کی یورشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیجیے اور رب ذوالجلال کی رضا کے لیے دین حق کی تبلیغ میں لگ جائیے۔ جدوجہد کا بازار کھلا ہوا ہے، محنت کا میدان وسیع ہے اور مستقبل آپ کی راہ دیکھ رہا ہے۔

اس کتاب کی تصحیح و تزئین اور حسنِ طباعت کے لیے عزیزی حافظ عبدالعظیم اسد اور ان کے رفقائے کار حافظ محمد ندیم، مولانا تنویر احمد، مولانا محمد مشتاق، قاری عبدالرشید، جناب احمد کامران نے بڑی محنت کی ہے۔ ڈیزائننگ سیکشن کے زاہد سلیم چوہدری اور عامر رضوان نے اپنے ہنر سے اسے زینت بخشی ہے اور کمپوزنگ سیکشن کے جناب ابومصعب اور ان کے ساتھیوں نے کمپوزنگ کا فرض خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو ہمیشہ شاداب رکھے۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام الریاض، لاہور

مئی 2007ء

عرض مؤلف

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين، سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين، أما بعد:

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے یہ مقالہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے سلسلے میں ایک تاریخی غلط فہمی کے ازالے کے لیے لکھا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ ''رستمی وہابیت'' کا اس سلفی دعوت سے کوئی تعلق نہیں جس کی شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے تجدید کی تھی۔

یہ مقالہ چند سال قبل شائع ہوا اور اس کا بڑا اچھا نتیجہ نکلا۔ مراکش کی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ یہ رسالہ اُنھی کی فرمائش کا نتیجہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مراکش کے علماء اور اصحابِ دانش اپنے دلوں میں دین کی نصرت وحمایت کا جذبہ رکھتے ہیں اور اپنے افکار ورجحانات کے لیے ہمیشہ اصل حقائق کے متلاشی رہتے ہیں۔

میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس مقالے میں جو نقطۂ نظر پیش کیا جائے، وہ ایسے مستند مراجع سے ماخوذ ہو جو حالات اور واقعات کی صحیح اور سچی تصویر کشی کرتے ہیں۔

الحمدللہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کی نمایاں پذیرائی ہوئی اور وہ حقیقت واضح ہوگئی جسے میں نے پیش کرنے کی کوشش کی تھی جو ایک علمی خدمت اور ادائے امانت کی ایک مخلصانہ سعی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے اس قافلے کے تمام ارکان کے دلوں کو جوڑا جائے جسے سیدنا محمد بن عبداللہ ﷺ نے چودہ صدیوں پیشتر شروع کیا تھا اور...... حدیث کے الفاظ

کے مطابق ...... جب امت ایک ایسے واضح راستے پر پہنچ گئی جہاں کی رات بھی دن کی طرح روشن تھی اور جس سے کوئی تباہ ہونے والا ہی بھٹک سکتا ہے تو آپ ﷺ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے شائع ہوا۔ اس کے شروع میں اس کتاب کا ایک تعارفی مقدمہ بھی تھا جس میں اس یونیورسٹی کے چانسلر ڈاکٹر صالح بن عبداللہ العبود فرماتے ہیں:

> یہ کتاب اپنے نام سے پوری مناسبت رکھتی ہے۔ اس میں ایک ایسی تاریخی غلطی کی وضاحت کی گئی ہے جس کی وجہ سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کی اس دعوتِ توحید پر الزام لگا۔ یہ دعوت بندوں پر اللہ کا حق ہے اور جو اول نبی سے لے کر آخری نبی محمد بن عبداللہ ﷺ تک سارے پیغمبروں کی دعوت ہے۔ الزام کی بنا پر ایسی غلط فہمی پیدا ہوئی جس سے اسلام اور مسلم دشمنوں نے مسلمانوں میں تفریق ڈالی اور ان کا اتحاد پاش پاش کرنے کی ناروا کوشش کی۔ توقع ہے کہ یہ معیاری کتاب اشتباہ دور کرنے، غلط خیالات کی اصلاح کرنے اور فاسد عزائم پر قدغن لگانے میں مؤثر کردار ادا کرے گی۔

الحمدللہ! دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے شائع ہوئے جن میں انگریزی، فرانسیسی، ہوسا اور سواحلی زبانیں شامل ہیں۔ اردو، فارسی، پشتو، بنگالی اور روسی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے زیرِ طبع ہیں۔

اسی کتاب کا یہ پیشِ نظر ایڈیشن سعودی عرب کے ادارۂ تحقیقاتِ علمیہ و افتاء کے ہیڈ آفس کی طرف سے شائع ہو رہا ہے جس کی طرف انتساب کی سعادت مجھے بھی حاصل ہے، جہاں مجھے سابق مفتیٔ عام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ اور موجودہ مفتیٔ عام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن

عبداللہ آل الشیخ کے مشیر کی حیثیت سے خدمت کا شرف حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب سے مسلمانوں کو بھرپور فائدہ پہنچے اور بعض لوگوں کے ذہن میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں جن کے بہانے دشمنان اسلام خود اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ دور ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کی ہدایت فرمائے، اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہماری نگاہوں پر باطل کے فتنے عیاں کر دے اور ان سے بچنے کی توفیق بخشے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں جو غلط عقائد راسخ ہو گئے ہیں اور علمائے اسلام اور دینِ قیم کی دعوت کے علمبرداروں کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، اللہ کرے وہ دُور ہو جائیں۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

إنه على ذلك قدير وبالإجابة جدير
وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مملکت سعودی عرب

ہیڈ آفس برائے اکیڈمک ریسرچ وافتاء

دفتر مفتی عام

اجازت طبع وترجمہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی نبینا محمد الصادق الأمین و بعد:

اخبار ''ریاض'' شمارہ نمبر 10763، جلد: 34 بروز جمعہ 12 شعبان 1418ھ، بمطابق 12 دسمبر 1997ء میں مفتی عام مملکہ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ شائع ہوا جس میں انھوں نے ایسی کتاب کی عدم اشاعت کو، جس کی افادیت کے بارے میں مؤلف کو اطمینان ہو، کتمانِ علم قرار دیا ہے۔ اس فتوے کے پیش نظر میں جامعہ اسلامیہ اور اس کے علاوہ نشرواشاعت کے دیگر اداروں کو اپنی کتاب ''تاریخ وہابیت حقائق کے آئینے میں'' بلا معاوضہ صرف اللہ سبحانہ سے اجروثواب کی امید پر چھاپنے، نیز جامعہ اسلامیہ کی نگرانی میں دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

اگر بطور ہدیہ چند نسخے اطلاع کے لیے مجھے عطا کر دیے جائیں تو میں ان کے لیے دعا گو رہوں گا اور نسخے بھیجنے والے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان شاء اللہ اجروثواب کے مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے علمی فوائد قائم ودائم رکھے۔ وہی اچھے کام کی توفیق دینے والا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ڈاکٹر محمد بن سعد شویعر

مشیر: دفتر مفتی عام، سعودی عرب

چیف ایڈیٹر: اسلامک ریسرچ میگزین

/ سبب تالیف /

کچھ عرصہ قبل میں نے ''وہابیت کے بارے میں ایک تاریخی غلط فہمی کی تصحیح'' کے نام سے تقریباً ایک سودس صفحات پر مشتمل ایک چھوٹی سی کتاب لکھی تھی جو پہلی دفعہ 1407ھ میں مراکش کے شہر تطوان سے شائع ہوئی، پھر 1413ھ میں دارالمعارف ریاض نے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔

میں نے اس کتاب میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے مخالفین اور اللہ کے دین کے دشمن دنیا پرست لوگ ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا نور بجھانے کے خواہش مند ہیں، یہ ہمیشہ ان لوگوں سے برسر پیکار رہتے ہیں جو توحید باری تعالیٰ کی نشر و اشاعت اور تطبیق کے لیے کوشاں ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور از اول تا آخر تمام انبیاء و رسل اسی مقصد وحید کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجے گئے۔

انھیں شمالی افریقہ میں خوارج کے اباضی فرقے کی ایک تحریک کا پتہ چلا جو دوسری صدی ہجری میں ''وہابیت'' کے نام سے اٹھی تھی اور خارجی فرقے کے ایک شخص عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم کی طرف منسوب تھی۔ اس تحریک کے بارے میں اس زمانے یا اس کے بعد آنے والے مغرب اقصیٰ اور اندلس کے بعض علماء کے فتوے بھی ان کے ہاتھ لگ گئے۔ پھر ان لوگوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، وہ ان فتووں کو لے اڑے اور چاہا کہ انھیں موجودہ اسلامی دعوت کو جو ''وہابیت'' کے نام سے مشہور کر دی گئی تھی، خاموش کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تاکہ اس کا حلقۂ اثر وسیع نہ ہو سکے کیونکہ پہلی سعودی حکومت شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اس دعوتِ حق

کی پشت پناہی کر رہی تھی اور 1157ھ میں امام محمد بن سعود اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ دونوں نے باہم ہاتھ ملا کر اللہ کے دین کی مدد اور تبلیغ دین کا فرض ادا کرنے کے لیے اس دعوت کو پھیلانے کا عہد کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی توفیق سے نوازا۔ اس دعوت کو بڑی مقبولیت اور تائید حاصل ہوئی اور یہ دعوت تمام عالم اسلام میں پھیلنے لگی۔ حج کے لیے آنے والے علماء اسی سے متاثر ہوئے اور اپنے اپنے ملکوں میں اس کی نشر و اشاعت کرنے لگے۔ دنیا داروں کو اس سے خطرہ محسوس ہوا، انھوں نے اسے اپنے مفادات پر ضرب کاری سمجھا اور جب تاریخ میں مدفون رستمی وہابیت کی خبریں ان کے ہاتھ لگیں تو انھوں نے اسے غنیمت سمجھا اور اس کے متعلق علماء کے فتووں کی کھود کرید شروع کی اور انھیں اس نئی دعوت پر منطبق کرنا شروع کر دیا۔ ان مفاد پرستوں نے حقائق مسخ کرنے اور اس صحیح دعوت کا چہرہ بگاڑنے کی بڑی جدوجہد کی۔ نتیجتاً بعض لوگ ان افواہوں سے متاثر ہونے لگے کیونکہ لوگ عام طور پر بے پر کی جھوٹی باتوں اور افواہوں کو بہت جلد لے اڑتے ہیں اور اصل حقائق تک پہنچنے کی جستجو گوارا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق کا چہرہ بگاڑنے اور لوگوں کے افکار و اذہان غلط رخ پر ڈالنے میں افواہوں نے ہمیشہ اپنی کارستانی دکھائی ہے۔ مزید برآں اس میں لوگوں کی سادہ لوحی اور کم فہمی کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔

1407ھ کے لگ بھگ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے بارے میں مراکش کے ایک عالم سے میری ایک علمی گفتگو ہوئی جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور ایک مشہور تاریخی غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا۔ اسی کے نتیجے میں یہ کتاب ظہور میں آئی۔

جب میں نے اپنے بعض عزیزوں اور دوستوں سے اس کتاب کے سببِ تالیف کا تذکرہ کیا تو انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ اسے بھی دائرہ تحریر میں لے آیا جائے کیونکہ اس طرح اور لوگوں کو بھی اس کا علم ہو سکے گا اور اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ مطلع ہو جائیں گے۔ یوں بھی تحریری

چیز دیرپا ہوتی ہے اور متلاشیوں کے لیے برقرار رہتی ہے۔ میں احباب کی اس خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے یہ تحریر پیش خدمت کر رہا ہوں۔

مناسب بھی یہی ہے کہ خود قارئینِ کرام بھی اس سبب سے آگاہ رہیں جس کی بنا پر یہ کتاب معرضِ تحریر میں آئی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ایک سبب پیدا کر دیتا ہے اور اس کتاب کے پس منظر میں بھی ایک سبب ہی کارفرما تھا جس کی وجہ سے یہ مؤثر نتیجہ خیز سنجیدہ علمی گفتگو ہوئی جو اس کتاب کی صورت میں پیش خدمت ہے۔

1407ھ میں مجھے ایک ضروری کام کے لیے موریتانیا کا سفر کرنا پڑا اور وہاں سے سینیگال جانا ہوا۔ ہوائی پروازوں کا ٹائم ٹیبل کچھ ایسا تھا کہ مجھے پانچ چھ دن مراکش میں بھی قیام کرنا پڑا۔ وہاں ایک دن میں مقامی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب کے ہاں مدعو تھا۔ موصوف کا تذکرہ میں یہاں ڈاکٹر عبداللہ کے فرضی نام سے کروں گا۔ ان کے کتب خانے میں ایک مجلس ہوئی اور مختلف موضوعات زیر گفتگو آئے۔ انھیں مملکت سعودی عرب سے بہت محبت تھی اور وہاں وہ کئی کانفرنسوں میں بھی شرکت کر چکے تھے۔ اس وقت حاضرین کی تعداد تقریباً بارہ تھی۔ وہ سب کے سب اسی ملک کے اکابر علماء میں سے تھے۔ سعودی عرب سے اپنی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے میرے میزبان نے کہا:

ہمیں سعودی عرب سے بہت محبت ہے۔ میں ہی کیا تمام مسلمانوں کے دل اس کی طرف کھچے رہتے ہیں۔ ہماری حکومتوں میں بھی بہت ہم آہنگی اور قریبی تعلقات ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر سعودی حکومت اور وہاں کے علماء کی مخلصانہ کوششیں بہت پسندیدہ نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں، لیکن کاش! تم لوگ وہابی مذہب ترک کر دیتے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

میں نے جواباً عرض کیا کہ شاید آپ لوگوں کے ذہن میں کچھ ایسی غلط معلومات بیٹھ گئی ہیں

جو نا قابلِ اعتماد ذرائع کی پیداوار ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ ہم اس سلسلے میں اصل حقیقت کی جستجو میں ایک متفقہ رائے تک پہنچ جائیں، اس لیے بہتر ہے کہ احباب کی اسی مجلس میں اس موضوع پر دلائل کی روشنی میں علمی اور تحقیقی گفتگو کی جائے۔

میں نے مزید کہا کہ یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنے ملک کے علماء کی تحریروں پر زیادہ اعتماد کرتا ہے اوران کا دل اُنھی سے زیادہ مطمئن ہوتا ہے، اس لیے میں اس گفتگو میں اس کتب خانے میں موجود کتابوں کے دائرے سے باہر نہیں جاؤں گا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میرے پاس کوئی کتاب نہیں ہے۔ مجھے تو گمان بھی نہ تھا کہ یہاں اس طرح کا کوئی موضوع زیرِ بحث آئے گا لیکن گفتگو شروع کرنے سے پہلے میری ایک گزارش سن لیجیے کہ دورانِ گفتگو ہم تعصب اور جذبات سے دور رہیں اور قابل اعتماد دلیل کے علاوہ کوئی رائے پیش نہ کریں، اس لیے کہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم حقیقت تک پہنچ سکیں، اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی اوراس کے دین کی تائید و حمایت ہی ہمارا ہدف اور مطمحِ نظر ہے۔ میرے میزبان نے کہا کہ مجھے منظور ہے اور یہ علمائے کرام ہمارے درمیان حَکَم ہیں۔ میں نے کہا میں بھی آپ سے متفق ہوں۔ اب اللہ پر بھروسہ کرکے گفتگو کا آغاز کیجیے۔

انھوں نے کہا: مثال کے طور پر ونشریسی کی کتاب ''المعیار'' کی گیارہویں جلد لے لیجیے، انھوں نے لکھا ہے کہ شیخ لخمی سے پوچھا گیا کہ ایک بستی ہے جس میں وہابیوں نے مسجد بنائی ہے، اس میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟[1]

''المعیار'' نامی یہ کتاب مالکی مذہب کے فتووں کا مجموعہ ہے جسے احمد بن محمد ونشریسی نے مرتب کیا ہے۔ مراکش کی حکومت نے اسے 13 جلدوں میں شائع کیا ہے اور وہاں سے یہ بطور ہدیہ تقسیم ہوتی ہے۔

---

[1] دیکھیے المعیار المعرب في فتاوی أهل المغرب: 168/11. جہاں اس مسئلے کا مزید تفصیل سے ذکر ہے۔

سوال پیش کرنے کے بعد کتاب مذکور کی گیارہویں جلد لائی گئی۔ اسے دیکھنے کے بعد میں نے جواب دیا کہ اس سوال کے جواب میں شیخ لخمی نے جو فتویٰ دیا ہے، وہ بالکل صحیح ہے اور میں اس سے متفق ہوں۔

انھوں نے کہا کہ پھر تو ہم اس بات پر متفق ہو گئے کہ یہ فرقہ غلط ہے اور اس کا طریقہ کار صحیح نہیں ہے، خاص طور پر جبکہ مفتی نے جواب میں کہا ہے کہ یہ فرقہ خارجی گمراہ اور کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ روئے زمین سے اس کا قلع قمع کرے، ان کی مسجد گرانا اور انھیں مسلمانوں کے علاقوں سے نکال دینا واجب ہے۔

میں نے عرض کیا: ابھی ہم متفق نہیں ہوئے، ابھی تو گفتگو کی ابتدا ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہے کہ لخمی سے پہلے اور ان کے بعد کے دیگر علمائے کرام کے بھی اسی طرح کے فتوے اندلس اور شمالی افریقہ کے علماء وفقہاء کے پاس موجود ہیں جو خوارج کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے احکام سے مستنبط ہیں جن سے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے نہروان کے مقام پر جنگ کی تھی۔

ہم اپنی اس گفتگو میں ان شاء اللہ اس بات کی وضاحت کر سکیں گے کہ جس فرقہ "وہابیہ" کا تذکرہ علمائے اندلس وشمالی افریقہ کے فتاو میں آیا ہے اس سے کون لوگ مراد ہیں اور اس میں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اصلاحی دعوت میں کیا فرق ہے جسے بدنام کرنے کے لیے اسے "وہابیت" کے غلط نام سے موسوم کر دیا گیا ہے؟ اس طرح ہم ایک تاریخی غلط فہمی کی تصحیح کر سکیں گے مگر یہ تصحیح آپ لوگوں کے لیے اُسی وقت قابل اطمینان ہوگی جب اسے آپ لوگوں کے نزدیک معتبر اور تسلی بخش دلائل و براہین سے ثابت کیا جائے چونکہ ہم سب لوگ حقیقت کے متلاشی ہیں، اس لیے تسلی بخش اور سنجیدہ رائے ہی سے غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہوگا اور صحیح اور حقیقی مفاہیم اُجاگر کیے جا سکیں گے۔

انھوں نے کہا: جی ہاں! ہم سبھی لوگ حقیقت کے متلاشی ہیں۔ اب اس موقف کے بعد آپ

اپنا نقطۂ نظر پیش کریں، ہم لوگ اسے سننے کے لیے سراپا گوش ہیں۔ یہ علمائے کرام ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے اور صحیح اور غلط کی وضاحت کریں گے۔

میں نے عرض کیا: ان شاء اللہ ابھی آپ لوگوں کے سامنے حقائق تک رسائی کا راستہ روشن ہو جائے گا اور درپیش معاملے کی پوری طرح وضاحت ہو جائے گی۔ اس کے لیے ہم سب سے پہلے کتاب ''المعیار'' کے موجودہ اجزاء ہی سے ابتدا کرتے ہیں۔ ذرا آپ اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھیں تاکہ یہاں موجودہ احباب سن سکیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں یہ فتویٰ پڑھ کر سناؤں یا کتاب کے ٹائٹل پر مندرج معلومات پڑھوں۔

میں نے کہا: ٹائٹل سے پڑھیں یا اندر سے پڑھیں، ایک ہی بات ہے۔

انھوں نے پڑھنا شروع کیا: المعيار المعرب في فتاوى أهل المغرب، تاليف، أحمد بن محمد الونشريسي المتوفى عام 914ھ، فاس، المغرب.

اس محفل میں بیٹھے معمر ترین عالم جو بہت ہی پروقار اور سنجیدہ مزاج تھے، ان کا نام احمد تھا۔ میں نے اُنھیں مخاطب کر کے کہا: شیخ احمد! ذرا مؤلف کتاب احمد الونشریسی کی تاریخ وفات نوٹ کر لیں، انھوں نے نوٹ کر لیا، ''914ھ''۔

پھر میں نے دریافت کیا: کیا شیخ لخمی کی سوانح حیات مل سکتی ہے؟

میرے میزبان نے کہا: ہاں! پھر وہ کتب خانے سے سیر و سوانح کی ایک کتاب کی ایک جلد لے کر آئے جس میں علی بن محمد لخمی مفتیٔ اندلس و شمالی افریقہ کے سوانح حیات خاصے تفصیل سے درج تھے اور ان کے علم و فضل کی تعریف کی گئی تھی۔

میں نے عرض کیا کہ اس وقت سب سے اہم بات جو اس سوانح کے آخر میں ہو گی، یہ ہے کہ ان کی وفات کب ہوئی؟ پڑھنے والے نے کہا کہ ان کی وفات 478ھ میں ہوئی۔[1]

---

[1] الحلل السندسية، ص: 142، والأعلام للزركلي: 148/5، الحلل السندسية میں یہ بھی درج ہے کہ ان کی وفات صفاقص شہر میں ہوئی۔

میں نے شیخ احمد سے پھر کہا کہ ذرا آپ ان کی بھی تاریخ وفات نوٹ کر لیں، انھوں نے لکھ لیا، ''478ھ'' ڈاکٹر عبداللہ نے کہا کہ کیا آپ کو ہمارے علماء اور ان کے فتاویٰ میں کچھ شک ہے؟

میں نے پوچھا: آپ نے کس بنا پر محسوس کیا کہ مجھے اس میں شک ہے؟ پھر میں نے حاضرین کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ کیا مجھ سے کوئی ایسی بات صادر ہوئی ہے جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ مجھے اس میں شک ہے؟ سب نے بالاتفاق کہا: ''نہیں۔'' میں نے عرض کیا کہ میں اپنی طرف سے اور اپنے ملک کے علماء کی جانب سے اس شک وشبہ کی نفی کرنے کے لیے یہ عرض کرتا ہوں کہ ہم سب ان کا احترام کرتے ہیں، اُنھیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انھوں نے جو بھی فتاویٰ قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں دیے ہیں، ہم انھیں صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم نے جس موضوع پر گفتگو شروع کی ہے، اس پر دلائل کی روشنی میں کسی تسلی بخش نتیجے تک پہنچنے کے لیے ہمیں کچھ صبر وتحمل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو عجلت ہے تو میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فرمایئے کہ کیا علمائے کرام کے لیے امکانات کی دنیا اتنی وسیع ہے کہ وہ کسی ایسے عقیدے کے بارے میں فتویٰ صادر فرمائیں جن کے قائلین کا ابھی کوئی وجود ہی نہ ہو؟ یا کسی ایسے مسلک پر کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے جو ابھی ظہور ہی میں نہ آیا ہو؟

سب نے کہا کہ نہیں! ہمیں ایسی کسی مثال کا علم نہیں ہے، الا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں کوئی ایسی بات وارد ہو تو یہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہوگا لیکن حدیثوں میں بھی بالعموم اوصاف کا تذکرہ ہوتا ہے نہ کہ اسماء کا۔

میں نے اپنے مخاطب سے پوچھا: کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ حضرات اور آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ''وہابیت'' کی داغ بیل سب سے پہلے محمد بن عبدالوہاب

نے نجد میں ڈالی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، میں نے کہا کہ لخمی اور اندلس و شمالی افریقہ کے دوسرے علمائے مالکیہ نے جس وقت فتویٰ صادر کیا تھا، اس وقت محمد بن عبدالوہاب تو کیا ان کے بائیسویں جد امجد بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کہ ایک صدی میں تقریباً تین پشتیں ہوتی ہیں۔ اس حساب سے عبدالوہاب بن رستم کی وفات شیخ محمد بن عبدالوہاب کی وفات سے تقریباً اکتیس پشتوں پہلے ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ کے علماء اور تمام مسلمانوں کے علماء کوئی غیب دان تو نہیں تھے نہ جادوگری کرتے تھے اور نہ بغیر علم و آگہی فتاویٰ صادر کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○﴾

''آپ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔''[1]

انھوں نے کہا: کچھ مزید وضاحت کیجیے۔ میں نے عرض کیا:

شیخ محمد بن عبدالوہاب 1115ھ میں پیدا ہوئے اور 1206ھ میں وفات پا گئے۔ جبکہ اس کتاب ''المعیار'' کے مؤلف احمد ونشریسی جنھوں نے لخمی کا فتویٰ نقل کیا ہے، شیخ محمد بن عبدالوہاب کی وفات سے 292 برس پہلے وفات پا چکے تھے اور صاحب فتویٰ شیخ لخمی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی وفات سے 728 برس پہلے وفات پا چکے تھے جیسا کہ شیخ احمد نے ابھی نوٹ کیا تھا۔ کچھ اسی طرح ان دیگر اندلس و شمالی افریقہ کے علماء کا بھی حال ہے جنھوں نے اس ''وہابیت'' کے بارے میں فتاویٰ صادر کیے ہیں۔

انھوں نے پوچھا: آپ کا مطلب کیا ہے؟ تسلی بخش دلائل کے ساتھ کچھ مزید وضاحت کیجیے۔

---

[1] النمل 65:27.

میں نے کہا کہ شمالی افریقہ اور اندلس کے علماء نے وہابی فرقے کی طرف توجہ دلائی تھی اور مسلمانوں کو اس سے متنبہ کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زمانے میں ان کے علاقوں میں یہ فرقہ موجود تھا جب کہ دوسرے علاقوں میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا، اسی لیے شہرستانی نے اپنی کتاب ''الملل و النحل'' اور ابن حزم نے اپنی کتاب ''الفصل في الملل و الأهواء و النحل'' میں کسی ایسے فرقے کا ذکر نہیں کیا۔ اور جہاں تک ہمارے زیر بحث موضوع کا تعلق ہے تو کیا آپ کے پاس الفرڈبل کی کتاب ''شمالی افریقہ کے مسلمان فرقے'' موجود ہے؟ جس کا عبدالرحمٰن بدوی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

انھوں نے کہا: جی ہاں، بالکل موجود ہے۔ یہ لیجیے۔ موصوف اُٹھے اور وہ کتاب لے آئے۔ میں نے کہا کہ اس کے آخر میں ''حرف واؤ'' کا باب پڑھا جائے۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے پڑھا ''وهبية'' یا ''وهابية'' ایک خارجی اباضی فرقہ ہے جسے عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم نے ایجاد کیا تھا۔ اُسی کے نام پر اسے ''وہابیت'' کہا گیا۔ اس نے اسلامی احکام معطل کر دیے تھے، حج منسوخ کر دیا تھا، اس کے اور اس کے مخالفین کے درمیان جنگیں ہوئیں اور آخر میں بتایا کہ اس کی وفات 197 ھ میں شمالی افریقہ کے شہر تاہرت میں ہوئی۔

اس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا یہ مستقل نام اس لیے پڑا کہ اس نے اپنے مذہب میں طرح طرح کی تبدیلیاں کر ڈالی تھیں اور نئے نئے عقائد شامل کیے تھے۔ یہ لوگ شیعوں سے بھی اتنی ہی نفرت کرتے تھے جتنی اہل سنت سے[1] الفرڈبل نے اپنی اس کتاب میں عربوں کی فتوحات سے لے کر اپنے زمانے تک شمالی افریقہ میں پائے جانے والے تقریباً تمام فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ عبدالوہاب بن رستم کی وفات کے بارے میں اس کے تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ زرکلی نے اپنی کتاب ''الاعلام'' میں اس کا سنِ وفات 190 ھ بتایا ہے۔[2]

[1] ملاحظہ ہو، ص: 140-154. [2] الأعلام: 5/198، طبعة دار العلم للملايين.

یہاں پہنچ کر میں نے اپنے میزبان اور دیگر حاضرین علماء سے کہا کہ یہی وہ وہابیت ہے جس نے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کیا تھا اور اسی کے بارے میں اندلس اور شمالی افریقہ کے علماء نے وہ فتوے صادر کیے تھے جنھیں آپ لوگ اپنے ہاں عقائد کی کتابوں میں پڑھتے ہیں اور وہ لوگ ان فتووں میں حق بجانب تھے۔ لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی سلفی اصلاحی دعوت جس کی امام محمد بن سعود نے تائید کی، وہ خوارج اور ان کے اعمال کی بالکل مخالف تھی، اس لیے کہ اس دعوت کی بنیاد تو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی اطاعت اور اس کے مخالف اُمور سے اجتناب و ابتعاد پر تھی۔ یہ لوگ اہل سنت والجماعت میں سے تھے لیکن اس دعوت کے بارے میں جو شکوک وشبہات پھیلائے گئے اور جن کی اسلام اور مسلمانوں کی دشمن سامراجی طاقتوں اور اُن کے لے پالک دوسرے لوگوں نے خوب ترویج و اشاعت کی تاکہ مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کیا جائے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت سامراجی طاقتیں عالم اسلام کے اکثر علاقوں پر قابض تھیں اور وہی ان کی قوت اور غلبے کا اصل وقت تھا۔ صلیبی جنگوں سے انھیں یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ ان کے مقاصد کی تکمیل میں سب سے بڑا روڑا یہی خالص اسلام ہے جو ملاوٹوں سے یکسر پاک صاف ہے اور جس کی نمائندگی سلفی تحریک کر رہی ہے۔ ان دشمنانِ اسلام کو رستمی وہابیت کا بنا بنایا فتنہ مل گیا جسے انھوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوتِ حق پر فٹ کر دیا تاکہ لوگوں کو اس سے متنفر کر کے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کیا جا سکے کیونکہ ان کا تو اصول ہی یہ ہے کہ ”لڑاؤ اور حکومت کرو۔“

چونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ صلیبیوں کو اسی وقت ملک شام سے نکالنے میں کامیاب ہو سکے جبکہ انھوں نے مصر میں عبیدی فاطمیوں کی باطنی حکومت کا قلع قمع کیا اور شام سے علمائے اہل سنت کو بلا کر انھیں مصر کے تمام علاقوں میں پھیلا دیا، اس طرح مصر سے باطنی تشیع کا خاتمہ ہوا اور لوگ عقائد و اعمال میں اہل سنت کے مدلل اور واضح مسلک پر واپس آئے۔

سامراجی طاقتوں نے جب دیکھا کہ امام محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود ﷫ کی قائم کردہ اس توحیدی سُنّی حکومت کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اور لوگ تیزی سے اس دعوت کا استقبال کر رہے ہیں تو انھیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اس طرح سلطان صلاح الدین ایوبی کی تاریخ اپنے آپ کو ازسرِنو دہرانے لگے گی۔ اور اس حقیقت سے تو آپ سب باخبر ہیں کہ سامراج جس ملک میں داخل ہوتا ہے، سب سے پہلے اہلِ سنت دُور ہٹانے اور اہلِ بدعت قریب لانے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے کہ یہ اہلِ بدعت ہی ہیں جو مسلمان ملکوں میں سامراجی طاقتوں کے مقاصد کی تکمیل کے لیے آلۂ کار بنتے ہیں۔

میرا اندازہ تھا کہ یہ جواب سب کے لیے تسلی بخش ہوگا اور وہ مطمئن ہو جائیں گے لیکن حاضرین میں سے ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ کیا ایسا ممکن نہیں کہ محمد بن عبدالوہاب نے اِنھی پرانے لوگوں کا منہج لے لیا ہو اور ازسرِنو اس کا احیاء کیا ہو؟ میں نے جواب دیا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ دونوں علاقوں کے مابین بڑا طویل فاصلہ تھا جس کے باعث معلومات ایک دوسرے تک نہیں پہنچ پاتی تھیں، نہ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ میں عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم کا کوئی تذکرہ ملتا ہے حتی کہ الملل والنحل کا مطالعہ کرنے والوں اور اس کے مصنفین، مثلاً: شہرستانی اور ابن حزم کے ہاں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، نہ ابن تیمیہ کے دور میں اس کا کوئی ذکر ہے، حالانکہ ابن رستم ان لوگوں سے بہت پہلے گزر چکا تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبدالوہاب بن رستم کے فرقۂ وہابیت کا تذکرہ شمالی افریقہ اور اندلس سے باہر ہی نہ نکل سکا۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت ان تمام فرقوں کے خلاف ہے جنھوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے، اس لیے کہ یہ دعوت صرف سلف صالحین کے مسلک کی تجدید ہے اور اس کے خلاف اس میں کوئی بات نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ کی دعوت کو ان کی طرف نسبت دے

کروہابیت کے نام سے موسوم کرنا معنوی اعتبار سے بھی غلط ہے۔اس لیے کہ یہ دعوت ان کے والد نے شروع نہیں کی تھی ورنہ اس نسبت میں ان کے والد اور ان کی دوسری اولاد بھی شریک ہوتی اور یہ سب کی مشترکہ نسبت ہوتی جب کہ شیخ محمد توان کی اولاد میں سے ایک ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت روز اول ہی سے اباضی خوارج اور دوسرے تمام مذموم فرقوں سے یکسر مختلف ہے اور یہ چیز اس دعوت کے قائدین وعلماء کے رسالوں اور کتابوں سے بالکل واضح ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ ان کی طرف جو غلط باتیں منسوب کردی گئی ہیں، میں ان کی کتابوں اوران کے تلامذہ کی کتابوں سے یہ ثابت کردوں گا کہ وہ سب لوگ ان غلط باتوں اور جھوٹے الزامات سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں: سبحانك يا رب! هذا بهتان عظيم جب حقیقتِ حال یہ ہے تو پھر یہ کہاں تک درست ہے کہ انسان جس امر سے اپنی براءت کا متواتر اعلان کررہا ہے، اس کی طرف اُسی نوعیت کی غلط اور بے اصل باتیں منسوب کی جاتی رہیں؟

لیکن پہلے ہم اپنی گفتگو مکمل کریں گے۔اسی کتب خانے میں ان شاء اللہ ایسے مراجع مل جائیں گے جن سے ذہن میں بیٹھے ہوئے غلط شبہات کا ازالہ ہوسکے گا۔مومن ہمیشہ حکمت و دانائی کی تلاش میں رہتا ہے۔

پھر میں نے عرض کیا کہ شاید آپ کے ہاں آپ ہی کے علاقے کے بارے میں ایک فرانسیسی مؤلف، چارلس آندرے، کی کتاب ''شمالی افریقہ کی تاریخ'' مل جائے جسے تیونس کے سابق وزیراعظم محمد مزالی اور بشیر بن سلامہ نے عربی کا جامہ پہنایا ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ نے کہا: جی ہاں! یہ کتاب موجود ہے، پھر وہ کتاب لائے۔یہ کتاب تین اجزاء پر مشتمل ہے۔فہرستوں پر نظر ڈالی۔دوسری جلد میں خوارج کی حکومتوں کے تذکرے کے ضمن

میں ''مملکت تاہرت'' کا نام نظر آیا۔ یہیں وہ رستمی حکومت تھی۔ مؤلف نے تفصیل کے ساتھ ان کے عقائد، ان کی سلطنت کے رقبے اور تہذیبی مظاہر کا تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ وہابیت کا نام عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم کی طرف منسوب ہے جو اپنے ہم مذہب لوگوں کا مخالف تھا، مؤلف نے بتایا ہے کہ یہ رستمی وہابیت اہلِ سنت کے عقائد کے یکسر خلاف تھی۔ [1]

پھر میں نے کہا کہ شاید آپ کے کتب خانے میں ڈاکٹر عبدالعزیز سالم کی کتاب ''المغرب الکبیر، العصر العباسی'' موجود ہوگی۔ انھوں نے کہا: جی ہاں! موجود ہے، پھر وہ یہ کتاب لے آئے۔

ہم لوگوں نے دیکھا تو دوسری ہی جلد میں مغرب کے شہر ''تاہرت'' کی رستمی حکومت کا تذکرہ ملا۔ اس میں مصنف نے بتایا تھا کہ عبدالرحمٰن بن رستم فارسی الاصل تھا۔ 171ھ میں اُسے اپنی موت کے قرب کا احساس ہوا تو اس نے اپنی رستمی حکومت کے سات بڑے آدمیوں کے حق میں وصیت کر دی، انھی میں اس کا لڑکا عبدالوہاب اور یزید بن فندیک بھی شامل تھے۔ اس کے بعد عبدالوہاب سے حکومت کی بیعت ہوئی، اس کے نتیجے میں اُس کے اور ابن فندیک کے مابین اختلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس طرح ابن رستم کے دین اباضیت میں، جسے وہ مشرق سے مغرب میں لایا تھا، دو دھڑے بن گئے۔ ایک فرقہ تھا ''وھابیة'' جو عبدالوہاب بن رستم کے ساتھ تھا۔ اور دوسرا فرقہ ''النکاریة'' کے نام سے مشہور ہوا۔ دونوں فرقوں میں متعدد جنگیں ہوئیں جن میں ''النکاریة'' کو شکست ہوئی اور ان کا لیڈر ابن فندیک مارا گیا۔ نکاریہ کی اس کمزوری کے دور میں معتزلہ کا فرقہ ''واصلیہ'' بھی ان سے مل گیا تھا۔

پھر مؤلف نے یہ بھی بتایا کہ آخری عمر میں اسی عبدالوہاب نے حج کا بھی ارادہ کیا تھا لیکن اس کے پیروکاروں نے عباسیوں کے خوف سے اسے ''نفوسہ'' شہر ہی میں رہنے کا

[1] شمالی افریقہ کی تاریخ: 2/40-50 اور دیگر مقامات۔

مشورہ دیا۔[1]

پھر میں نے کہا کہ اگر ہم الفرڈبل کی کتاب ''شمالی افریقہ کے مسلم فرقے فتح اسلامی سے لے کر آج تک'' کو دوبارہ دیکھیں تو ایک اور جگہ اس نے لکھا ہے کہ خوارج کا فرقہ وھبیة جو عبداللہ بن وہب الراسبی کی طرف منسوب ہے جس سے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ''نہروان'' کے مقام پر جنگ کی تھی، یہ لوگ بھی اباضی خوارج کے مذہب پر تھے، ان کے دھڑوں کے بارے میں لکھا ہے کہ مغرب میں تاہرت کے اباضیہ بھی انھی لوگوں میں سے ہیں جن کی رستمی حکومت شمالی افریقہ کے علاقوں میں قائم ہوئی تھی۔ یہ ان میں سب سے زیادہ متشدد فرقہ تھا۔ یہ لوگ عبدالوہاب بن رستم کے پیروکار تھے اور اُسی کی طرف نسبت دے کر اس فرقے کو ''وہابیہ'' کہا گیا، اس لیے کہ اس نے مذہب میں بہت سی تبدیلیاں کی تھیں اور بہت سے نئے معتقدات کا اضافہ کیا تھا۔

مؤلف نے تقریباً بارہ صفحات میں اس فرقے کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ لوگ اہل سنت سے کراہت رکھتے تھے۔[2]

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ شمالی افریقہ کے بارے میں عقائد وسیر کی ان کتابوں کے مطالعے کے بعد حقیقت کے طلب گار کے لیے جو بات کھل کر سامنے آئی ہے، وہ یہ ہے کہ جب سے دوسری صدی ہجری میں رستمی اباضی خوارج کی شاخ اور عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رُستم کی طرف منسوب اس ''وہابیہ'' فرقے کا ظہور ہوا، تمام مؤلفین نے اس کے عقائد کی تردید کی ہے اور تقریباً سبھی مصادر میں اس پر زور دیا گیا ہے۔

---

[1] المغرب الكبير، العصر العباسي: 2/551-557 طبع دار النهضة العربية بيروت. اس کتاب میں بھی عبدالوہاب بن رستم اور اس کی حکومت کے بارے میں مفصل معلومات درج ہیں اور اس کی وفات 211ھ میں بتائی گئی ہے۔

[2] دیکھیے الفرق الإسلامية في شمال الأفريقي، ص: 150.

جبکہ اِدھر شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ انھوں نے اپنی دعوت وتحریک ہی اس لیے شروع کی تھی کہ اسلام میں داخل ہو جانے والی ان آمیزشوں کا قلع قمع کیا جائے جو اسلام کے روشن چہرے کو داغ دار کر رہی تھیں۔ شیخ موصوف مسلمانوں کے عقائد کی تصحیح کر کے انھیں شرک و بدعت کی آلودگیوں سے پاک کرنا چاہتے تھے جیسا کہ آپ سے پہلے عراق میں امام احمد بن حنبل، شام میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مصر میں عزالدین بن عبدالسلام، مغرب واندلس میں علامہ شاطبی، یمن میں امیر صنعانی اور ان کے علاوہ دوسرے داعیانِ حق نے کیا تھا۔ یہ سب لوگ اوران کے علاوہ دوسرے ائمۂ اصلاح وتجدید سب کے سب خوارج کے فرقوں اور ان کے غلط عقائد، اعتزال و بدعت کی دعوتوں اور اہل سنت والجماعت کے مخالف تمام باطل عقیدوں کے سخت دشمن تھے، یہ سب کچھ الملل والأھواء والنحل کی کتابوں میں مدون ہے۔

الحمدللہ! میری اس گفتگو سے سب لوگ مطمئن ہو گئے ۔ خاص طور پر جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی تاریخی اور عقائد کی کتابوں میں بار بار اسی ''وہابیہ'' فرقے کا ذکر آیا ہے اوران کے عقائد وافکار کی مثالیں درج کی گئی ہیں تو اس امر سے انھیں حقیقتِ حال جاننے میں بڑی مدد ملی۔ لیکن میں نے بہتر سمجھا کہ یہ مفہوم اتنا پختہ کر دیا جائے کہ ان لوگوں کے دل میں اس بارے میں شک وشبہ کی کوئی ادنیٰ سی بھی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور بعد ازاں آنے والے جو لوگ اس گفتگو کی روداد پڑھیں، وہ بھی مستفید ہو سکیں۔

علمائے بلاغت کا قول ہے کہ الفاظ کی بہتات وتکرار مفہوم میں پختگی پیدا کر دیتی ہے۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ کیا آپ حضرات پسند فرمائیں گے کہ ہم کچھ اور کتابوں کی طرف رجوع کریں تاکہ ہمارے سامنے مزید تاریخی حقائق آشکارا ہو سکیں اور یہ ثابت ہو جائے کہ جب آل سعود نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کی نشر واشاعت کا اہتمام کیا اور اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ﴾

”اور بلاشبہ یہ یقیناً تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے ایک نصیحت ہے اور عنقریب تم سے پوچھا جائے گا۔“ [1]

کی روشنی میں اسلاف کرام کی اقتدا میں دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کرنے کے لیے دیگر عرب ممالک کے حکام سے خط کتابت کی تو اس وقت آپ کے ملک کے علماء و حکام نے اس سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں مزید مذاکرات اور تحقیق حال کے بعد اس دعوت کی صحت، اہمیت، ضرورت اور افادیت پر انھیں مکمل اطمینان ہو گیا۔

ان لوگوں نے کہا: ہاں ہم سب لوگ مزید مدلل، تسلی بخش اور مفید معلومات کے آرزومند ہیں۔

میں نے کہا: ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہو گا۔ شاید آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ امام سعود بن عبدالعزیز پہلی سعودی حکومت کے تیسرے امام تھے۔ وہ 1219ھ میں مکہ مکرمہ آئے تو انھوں نے شمالی افریقہ، تیونس اور مراکش وغیرہ کے حکام کے نام ایک خط بھیجا جس میں توحید اور دینِ قیم کے ان بنیادی عقائد کی حقیقت بیان کی گئی تھی جو جناب رسول اللہ ﷺ نے اجاگر فرمائے تھے اور لوگوں کو سچائی اور امانت کے ساتھ اس کی دعوت دی تھی لیکن شومئی قسمت بعدازاں حالات کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس صاف شفاف دین قیم میں طرح طرح کی نت نئی باتوں کی ملاوٹ ہوتی چلی گئی۔ یہ تین صفحات کا خط تھا جسے جرمنی سے شائع ہونے والے میگزین، اسلامیکا (Islamika) نے ایک مستشرق کے قلم سے اپنے تبصرے کے ساتھ شائع کیا تھا اور اس میں دعوت کی حقیقت اُجاگر کی تھی۔ [2]

اس خط کی عبارت کے عربی متن اور معانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں امام سعود اور ان کے والد محترم کے ان کارناموں کا ذکر کیا گیا تھا جو انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام

---

[1] الزخرف 44:43۔

[2] ملاحظہ ہو اس میگزین کی جلد نمبر 7:1935ء۔

کے نفاذ اور دعوتِ دین کے لیے کیے تھے تا کہ لوگوں کے ذہنوں سے ان جھوٹی افواہوں کا ازالہ کیا جاسکے جو اس تحریک کی طرف منسوب کردی گئی تھیں۔ خود شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (1206-1115ھ) نے اپنی وفات سے پہلے اپنے جوابی خطوط میں ان کی پرزور تردید فرمائی۔ آپ نے اپنے ایک حریف عبداللہ بن سحیم کے نام اپنے مکتوب میں لکھا:

''سبحانك هذا بهتان عظيم!'' ہم سے پہلے خود جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی طرح طرح کی جھوٹی باتیں منسوب کی گئی تھیں۔'' اسی طرح آپ نے بغداد کے ایک عالم شیخ عبدالرحمٰن السویدی رحمہ اللہ کے نام ایک خط میں اپنے عقیدے اور اپنی دعوت کی وضاحت کی اور بتایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور لوگوں میں پھیلی ہوئی مشرکانہ عادتوں اور اللہ کو چھوڑ کر مُردوں کو پکارنے اور ان سے مدد طلب کرنے سے منع کرتا ہوں، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے ہماری مخالفت شروع کردی اور ہم پر جھوٹے الزامات لگائے۔ شیخ موصوف نے یہاں تک فرمایا: میں نے اپنے ماتحت لوگوں کے لیے یہ بات شرطِ لازم قرار دی ہے کہ وہ نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں، اللہ تعالیٰ کے دیگر فرائض کی پابندی کریں اور سود، شراب خوری اور دیگر منکرات سے دور بھاگیں۔ میرے مخالف سرداروں کو میری اس دعوت میں کسی نکتہ چینی کا موقع نہ مل سکا کیونکہ عوام ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں، اس لیے انھوں نے میری دعوتِ توحید اور شرک سے ممانعت کو ہدفِ تنقید بنایا اور اپنے عوام کو یہ باور کرایا کہ اکثر لوگ ان باتوں کے مخالف ہیں۔ اس طرح یہ فتنہ بہت بڑھ گیا اور شیطان کی ساری فوج حرکت میں آگئی اور میرے خلاف ایسی ایسی بہتان طرازی کی گئی کہ ایک عقل مند شخص انھیں بیان کرتے ہوئے بھی شرماتا ہے چہ جائیکہ انھیں کسی طرف منسوب کرے۔ انھی میں سے ایک الزام وہ بھی ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ میں اپنے متبعین کے علاوہ تمام لوگوں کو کافر کہتا ہوں اور ان کے نکاحوں کو غلط سمجھتا ہوں۔ یا للعجب! کیا یہ بات کسی عقل مند آدمی کے دماغ میں آسکتی ہے؟ کیا کوئی مسلم یا کافر سمجھ دار یا مجنون ایسا کہہ سکتا ہے؟

اسی طرح کی متعدد جھوٹی اور لغو باتوں کا جو بدنیتی سے ان کی طرف منسوب کردی گئی تھیں، حوالہ دے کر فرماتے ہیں: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ توحید کی دعوت اور شرک سے ممانعت کے علاوہ جو بھی غلط باتیں میری طرف منسوب کی گئی ہیں، وہ سب بہتان ہیں جو کسی اور سے پوشیدہ رہ جائیں تو رہ جائیں لیکن آپ جیسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتیں۔ [1]

پھر میں نے عرض کیا: مغرب اقصیٰ (مراکش) کے علماء اور حکام کی حقیقت جوئی کا مشاہدہ حسب ذیل امور سے کیا جا سکتا ہے:

① مغرب اقصیٰ کے اس وقت کے سلطان اور موجودہ رائل فیملی کے جد اعلیٰ ''سیدی محمد بن عبداللہ علوی'' غور و فکر اور تحقیق و جستجو کے بعد اس دعوت سے متاثر ہوئے، انھوں نے اس کے ابلاغ کا بڑا اہتمام کیا اور اپنے ملک میں پھیلی ہوئی بدعتوں اور صوفیانہ سلسلوں کے خلاف مہم شروع کی، اجتہاد کی دعوت دی، سنت نبوی کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا کیونکہ وہ اپنے زمانے کے مسلم حکام میں سب سے زیادہ قوی اور مضبوط حاکم تھے اور ان کا ملک عبیدی باطنیت، اہل بدعت، جہالت اور رستمی باطنی خارجی وہابیت کا خمیازہ بھگت چکا تھا۔ سقوط اندلس کے بعد شمالی افریقہ کے علاقوں پر صلیبی حملے اس پر مستزاد تھے۔

محمد جمعہ نے اپنی کتاب ''انتشار دعوة الشيخ محمد بن عبدالوهاب'' میں سیدی محمد بن عبداللہ علوی کے متعدد ایسے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے جن میں وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سے بالکل متفق ہیں اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں توحید کو خالص کرنے اور اسے شرک و بدعت سے پاک کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ [2]

---

[1] تاريخ أفريقيا الشمالية، شائع کردہ: إدارة الملك عبدالعزيز، ریاض۔

[2] یہ خط، عبداللہ بن سحیم کے نام بھیجے گئے خط اور پھر آپ کے صاحبزادے عبداللہ کے دفاعی مکتوب کے مفصل مطالعے کے لیے دیکھیے البيان والإشهار تالیف شیخ فوزان السابق رحمہ اللہ، طبع اول: 1372ھ، ص: 82-84، نیز رسائل الشیخ محمد بن عبدالوہاب، جز: 5 طبع: جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامیہ۔

یہ وہی سلطان ہے جن کا ذکر فرانسیسی مؤرخ چارلس جولیان نے اپنی کتاب ''شمالی افریقہ کی تاریخ'' میں کیا ہے جس کا ترجمہ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ محمد مزالی اور بشیر بن سلامۃ نے عربی میں کیا ہے۔

اسی کتاب کی دوسری جلد میں مؤلف نے کہا ہے کہ سیدی محمد بہت متقی اور پرہیز گار آدمی تھے۔ انھیں حجاج کے ذریعے خبر ملی کہ جزیرۂ عرب میں وہابی تحریک تیزی سے پھیل رہی ہے اور آل سعود اس کی تائید کر رہے ہیں، انھیں اس کی تعبیریں بہت پسند آئیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں مالکی المذہب اور وہابی العقیدہ ہوں۔ ان کی دینی غیرت اور جذبے کی شدت کا یہ حال تھا کہ انھوں نے دین میں تساہل پیدا کرنے اور اشعری مذہب جائز ٹھہرانے والی بعض کتابیں تلف کرنے اور بعض خانقاہیں گرانے کا حکم دے دیا۔[1]

② مغرب اقصیٰ کے مؤرخ احمد الناصری نے اپنی کتاب ''الاستقصاء في تاريخ المغرب الأقصى'' کی آٹھویں جلد میں اس کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے۔ یہ کتاب تو یقیناً آپ کے کتب خانے میں موجود ہوگی؟ انھوں نے کہا: ''جی ہاں موجود ہے۔'' جب یہ کتاب آ گئی تو ہم نے 1226ھ کے واقعات پڑھنے شروع کیے جن میں مؤلف نے لکھا ہے:

''اس سال اہل مغرب (مراکش) کی ایک جماعت نے حج کیا، ان کے ساتھ سلطان مغرب مولی[2] سلیمان کے بیٹے مولیٰ ابراہیم بھی تھے۔ مولیٰ سلیمان نے اپنے والد سیدی محمد بن عبداللہ علوی کے بعد مراکش کی حکومت سنبھالی تھی۔ ان کے لڑکے مولی ابراہیم اور ان کے ساتھ جانے والے حجاج نے بتایا کہ ہم نے ابن سعود کی حکومت میں دین کی معلومہ ظاہری باتوں کے خلاف کوئی چیز نہیں دیکھی۔ جو کچھ ہم نے ان میں اور ان کے متبعین میں دیکھا، وہ یہی

---

[1] تاريخ أفريقيا الشمالية: 311/2.

[2] مراکش میں قابل احترام شخصیتوں کو ''مولیٰ'' یا ''مولائی'' کہا جاتا ہے جس طرح اردو میں علمائے کرام کو ''مولوی'' یا ''مولانا'' لکھا اور بولا جاتا ہے۔

ہے کہ یہ لوگ استقامت کے ساتھ اسلام کے شعائر طہارت، نماز اور روزے کے پابند ہیں، برائیوں سے منع کرتے ہیں اور انھوں نے حرمین شریفین کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔[1]

میں نے کہا کہ خود اسی مؤلف الناصری نے تذکرہ کیا ہے کہ شہر فاس سے روانہ ہونے والا حجاج کا یہ قافلہ جسے ''قافلۂ نبوی'' کہا جاتا تھا، کتنی دھوم دھام سے نکلتا تھا، بادشاہ اور حکام اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے اور اس میں شرکت کے لیے خاص خاص لوگوں کا انتخاب کیا جاتا تھا جس میں علماء، اعیان، تجار اور قاضی ہوتے تھے، قافلے کا ایک سردار ہوتا تھا، اس طرح وہ مصر اور شام سے حج کے لیے آنے والے قافلوں کے ہم پلہ ہوتا تھا۔[2]

اس قافلے میں شریک علماء و اعیان نے امام سعود اور وہاں کے علماء سے ملاقاتیں کیں اور ان سے بحث مباحثہ بھی کیا۔

میں نے عرض کیا کہ اب آپ حضرات ہی بتائیں کہ جن کے بارے میں 1226ھ میں حج پر جانے والے مولی ابراہیم بن سُلطان سلیمان اور ان کے ساتھ جانے والے علماء و اعیان بخوبی بات چیت اور چھان بین کے بعد دین کی پابندی اور استقامت کی گواہی دے رہے ہیں، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کا عبدالوہاب بن رستم کے قائم کردہ اُس خارجی اباضی فرقۂ وہابیت سے کوئی تعلق ہو جس کے بارے میں آپ کے علماء نے فتوے صادر کیے تھے؟ یا یہ محض اسلام دشمنوں کا ایک جھوٹا الزام ہے جسے بعض مسلمانوں نے کسی چھان بین، تحقیق و جستجو، تاریخ اور عقائد کی کتابوں اور مراجع کی طرف رجوع کیے بغیر صحیح سمجھ لیا ہے؟

تمام حاضرین نے کہا: ہم سب لوگ آپ سے اور آپ کی بات سے پوری طرح مطمئن ہیں مگر تعجب کی بات ہے کہ بعض محققین اور مؤلفین سے یہ بات کیسے پوشیدہ رہ گئی؟ حالانکہ یہ سب کچھ خود ہماری کتابوں میں موجود ہے اور اس میں شک وشبہ کی مطلق کوئی گنجائش نہیں۔

---

[1] الاستقصاء لأخبار المغرب الأقصى: 120/8.

[2] الاستقصاء: 121/8.

میں نے کہا: اب میں آپ حضرات کو چند اور مستند باتیں سناتا ہوں، ان سے بعد میں آنے والے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ الناصری نے اپنی اسی کتاب میں دینِ قیم کی طرف دعوت کی خبروں کو بڑی اہمیت دی ہے اور ان تمام احوال وظروف کو تقریباً دس صفحات میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ میں ان کے مزید اقوال سناتا ہوں، اس لیے کہ وہ آپ کے ملک کے قابل اعتماد مؤرخین میں سے ہیں اور ان کی کتاب اس علاقے کی تاریخ میں بڑی اہم مانی جاتی ہے۔

سب نے کہا: بے شک۔

میں نے عرض کیا کہ سلطان سلیمان بن محمد بن عبداللہ علوی جن سے ''فاس'' شہر میں 1226ھ کے لگ بھگ بیعت کی گئی اور اُدھر امام عبداللہ بن سعود اور ان کے والد امام سعود بن عبدالعزیز جو خود بھی ایک اچھے عالم تھے، مکہ مکرمہ میں پہلی دفعہ 1214ھ (موافق 1799ء) بغرض حج داخل ہوئے۔ الناصری لکھتے ہیں کہ سلطان سلیمان نے ابن سعود اور ان کی دعوت کے بارے میں حقیقت حال کا پتہ لگانا چاہا اور اس مقصد کے لیے اپنے لڑکے مولی ابراہیم کو مغرب (مراکش) کے علماء واعیان کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے بھیجا اور انھیں اپنی طرف سے ایک خط بھی دیا۔ یہ لوگ حجاز پہنچے۔ انھوں نے پورے امن وامان اور حسن وخوبی کے ساتھ حج کے مناسک ادا کیے، روضہ شریف کی زیارت کی۔ پھر الناصری لکھتے ہیں کہ اس سال مولی ابراہیم کے ساتھ حج کرنے والے بہت سے لوگوں نے مجھے بتایا کہ انھوں نے سلطان امام سعود کے ہاں اپنی شرعی معلومات کے خلاف کوئی چیز نہیں دیکھی، جو کچھ ہم نے ان میں اور ان کے تبعین میں دیکھا، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ پوری استقامت کے ساتھ اسلام کے شعائر نماز، طہارت اور صیام کے پابند ہیں۔ تمام حرام باتوں اور منکرات سے منع کرتے ہیں، حرمین شریفین میں پہلے بے فکری کے ساتھ گندگی اور گناہ کی جو چیزیں پائی جاتی تھیں، انھوں نے اُن سے حرمین کو پاک کر دیا ہے۔ جب مولی ابراہیم سے ان کی ملاقات ہوئی تو اہل بیت کے حق کے مطابق ان

کا بڑا احترام کیا گیا۔ یہ ان کے پاس ان کے مصاحبین اور حاشیہ نشینوں کی طرح بیٹھے۔ قاضی ابو اسحاق ابراہیم الزرعی نے ان سے بات کی۔ دوران گفتگو ابن سعود نے کہا کہ لوگ الزام لگاتے ہیں کہ ہم سنت محمدی کے مخالف ہیں، بتایئے کیا آپ لوگوں کو ہمارے یہاں کوئی چیز سنت کے خلاف نظر آئی؟ یا مجھ سے ملاقات کرنے سے پہلے آپ نے اس طرح کی کوئی بات ہمارے بارے میں سنی ہے؟ قاضی نے ان سے کہا: ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ لوگ استواء ذاتی کے قائل ہیں۔ اور اس سے مستوی کا جسم ہونا لازم آتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا، معاذ اللہ! ہم لوگ تو وہی کہتے ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ نے کہا تھا: استواء معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے مگر اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ تو کیا یہ کوئی غلط بات ہے؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں! ہم لوگ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ قاضی الزرعی نے کہا: ہم نے سنا ہے کہ آپ لوگ قبروں میں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے انبیاء کی زندگی کے منکر ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا نام نامی سنا تو کانپ اٹھے، بلند آواز سے آپ ﷺ پر درود بھیجا اور کہا: معاذ اللہ! ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور دوسرے انبیاء قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی شہداء کی زندگی سے بھی اعلیٰ و افضل ہے۔

پھر آخر میں الناصری نے لکھا ہے کہ سلطان مولیٰ سلیمان رحمہ اللہ بھی کچھ اسی طرح کہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنا مشہور رسالہ لکھا جس میں اُس زمانے کے رہبانیت زدہ صوفیوں کے حالات کا تذکرہ کیا ہے اور سنت کی مخالفت اور بدعت سے منع کیا ہے، اولیاء کی قبروں کی زیارت کے آداب بتائے ہیں اور اس سلسلے میں عوام میں جو غلو پایا جاتا ہے، اس سے سختی سے منع کیا ہے کیونکہ مسلمانوں کی خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولیٰ سلیمان نے ایک خطبہ بھی متعین کیا تھا جس میں توحید کی دعوت اور بدعت کی مخالفت کی تاکید کی گئی تھی اور حکم دیا تھا کہ اسے تمام جامع مسجدوں میں تقسیم

کیا جائے اور صوفیاء کی خانقاہیں بند کر دی جائیں۔

ان لوگوں کی ابن سعود کی طرف منسوب مختلف مسائل و معاملات پر گفتگو کا تذکرہ کرنے کے بعد الناصری لکھتے ہیں کہ صاحب الجیش نے کہا کہ ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ یہی ہے بعض لوگوں سے اجتماعی گفتگو میں بھی ہم نے یہی سنا اور پھر باقی لوگوں سے علیحدہ علیحدہ بھی پوچھا تو سب کی باتیں متفق ملیں۔ [1]

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ اُن کی بات چیت اور ان کی خبروں سے متعلق یہ چند حقائق ہیں جو میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیے...... میں نے شروع ہی میں آپ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ لوگوں کے علاقے سے باہر نہیں نکلوں گا کیونکہ اصل خارجی وہابیت یہیں سے نکلی تھی جس کی وجہ سے آپ لوگوں اور بہت سے دیگر مسلمانوں کو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت اور آل سعود کی نصرت و تائید کے بارے میں غلط فہمیاں اور شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنے رسائل و جوابات میں (جنھیں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ نے اکٹھا کر کے شائع کر دیا ہے۔) اپنی طرف منسوب غلط اور جھوٹے الزامات کی سختی سے نفی و تردید کی ہے اور بار بار یہ اعلان کیا ہے کہ [هذا بهتان عظيم] جیسا کہ میں پہلے بھی اس طرح کے نمونے پیش کر چکا ہوں۔ [2]

جب حقیقتِ حال یہ ہے تو پھر کسی عقل مند کے لیے کہاں تک زیبا ہے کہ اُن الزامات کی تصدیق کرے جو خود شیخ کی زندگی میں ان پر لگائے گئے، آپ نے انھیں سنا اور بہ نفس نفیس ان کی تردید کی اور ان کے بعد ان کے تلامذہ نے بھی تردید کی، آپ کی کتاب ''کتاب التوحید'' اور اس کی شرحیں ''فتح المجید'' اور ''تیسیر العزیز الحمید'' موجود ہیں، انھیں غور سے پڑھیے، اگر کوئی

---

[1] الاستقصاء: 122,121/8.

[2] ملاحظہ فرمائیں مجموعہ مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب مطبوعہ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، الریاض، جزء: پنجم جو رسائل اور جوابات کے لیے مخصوص ہے۔

چیز سنت نبوی کے خلاف ملے تو پھر آپ کو حق ہے کہ آپ شک وشبہ کریں، اسی طرح شیخ کے دوسرے رسائل ثلاثة الأصول، کشف الشبهات، القواعد الأربع اورآداب المشي إلى الصلاة وغیرہ کا بھی حال یہی ہے۔

ڈاکٹر عباس الجراری نے، جو آپ ہی کے ملک مراکش کے رہنے والے ہیں، 1399ھ میں ملک سعود یونیورسٹی ریاض میں ایک لیکچر دیا، شاید آپ کو علم ہو، اس میں انھوں نے کہا کہ سلفی تحریک مغرب اقصیٰ میں چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک بار پھر ظاہر ہوئی جبکہ سلطان حسن نے 1300ھ میں مغرب کے عوام کے نام ایک پیغام نشر کیا، الناصری نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس طرح 1185ھ میں امام عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الحصین کو اس وقت کے والیٔ مکہ کے پاس بھیجا تاکہ مکہ کے علماء سے مناظرہ کریں۔ اس وقت علمائے مکہ کی نمائندگی ان تین علماء نے کی: یحییٰ بن صالح الحنفی، عبدالوہاب بن حسن الترکی مفتی سلطان اور عبدالعزیز بن ہلال۔ ان لوگوں نے تین مسائل کے بارے میں گفتگو کی۔ اس مناظرے سے ان لوگوں کو اصل حقائق کا علم ہوا جس سے اس دعوت کی صحت وصداقت روشن ہوئی۔

پھر میں نے عرض کیا کہ علمائے مغرب کی طرح اس وقت کے علمائے مکہ بھی سنی سنائی افواہوں اور مخالفین کی طرف سے پھیلائے گئے جھوٹے الزامات کی وجہ سے بہت شک وشبہ میں مبتلا تھے۔ جب امام سعود بن عبدالعزیز دوبارہ مکہ مکرمہ آئے تو بہت سے مناظرے ہوئے اور ان کے استفسارات کے جوابات دیے گئے۔ اس وقت علمائے نجد کی ترجمانی کرنے والے شیخ عبدالعزیز الحصین اور شیخ حمد بن ناصر بن معمر تھے۔ مؤخر الذکر کو امام سعود نے مکے کا قاضی اور مفتی مقرر کیا تھا یہاں تک کہ وہ مکہ مکرمہ ہی میں وفات پا گئے۔ اس مناظرے سے علمائے مکہ پوری طرح مطمئن ہو گئے اور تمام علماء کے دستخطوں سے ایک بیان جاری کیا گیا جس میں

اس دعوت کے بارے میں شکوک وشبہات اور جھوٹے الزامات کی تردید کی گئی تھی۔ یہ بیان بار بار چھپ کر شائع ہوا۔

پھر شاہ عبدالعزیز 1343ھ میں مکہ مکرمہ آئے، تب بھی اسی طرح کے واقعات پیش آئے جس سے لوگوں کو پورا اطمینان ہوگیا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت اور ان کا طریقۂ کار صحیح ہے۔ اور آپ کو مزید بات یہ بھی بتاتا چلوں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں قبروں پر بنے ہوئے تمام قبے دوسری سعودی حکومت اور شاہ عبدالعزیز کی قائم کردہ تیسری سعودی حکومت کے درمیانی عرصے میں خود شریف عون الرفیق کے زمانے ہی میں گرا دیے گئے تھے۔ یہ اقدام شیخ احمد بن عیسیٰ کے مشورے اور خود شریف اور بعض دیگر علمائے مکہ کی تائید سے ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اہل مکہ کو اس کی صحت پر کامل اطمینان تھا۔ [1]

پھر میں نے عرض کیا: بھائیو! اس مجلس میں جو کچھ بھی گفتگو ہوئی اور جو نصوص واقوال پڑھے گئے، ان سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی سلفی دعوت کو ''وہابیت'' کا نام دینا سراسر غلط ہے۔ اور جس ''وہابیت'' کے بارے میں آپ کی کتابوں میں فتاوی پائے جاتے ہیں اس کا شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ ان دونوں میں ذرہ برابر بھی مماثلت نہیں بلکہ ان دونوں میں بعد المشرقین ہے اور یہ ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں، اسی لیے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے تلامذہ کو رستمی وہابیت سے سخت نفرت ہے جیسا کہ اس سے قبل آپ کے علماء نے اس سے نفرت کا اظہار کیا۔ حق یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت سلفی دعوت ہے اور اس میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی کوئی چیز نہیں۔

اسی طرح ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اس دعوت کے حاملین علماء اور حکام آل سعود کو، جنھوں

---

[1] شیخ احمد بن عیسیٰ کی سیرت، ابن بسام کی کتاب ''علماء نجد خلال ستة قرون'' کے جز اول میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نے اللہ کے دین اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی تجدید واحیاء اور بدعت کا قلع قمع کرنے کے لیے اس دعوت کی حمایت کی تھی، علمائے مغرب نے 1226ھ کے حج میں ان سے مناظرہ وگفتگو کے بعد تمام الزامات سے پاک اور افواہوں سے بری قرار دیا تھا۔ انھیں بخوبی معلوم ہوگیا تھا کہ شیخ رحمہ اللہ اور دین کے دیگر داعیوں کی طرف جو باتیں منسوب کی جاتی ہیں، وہ محض جھوٹ ہیں۔ اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مغرب اقصیٰ کے چار سلاطین نے اس دعوت کے ابلاغ کا اہتمام کیا تھا اور اپنے ملک میں اسے پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ ان چاروں سلاطین کے نام یہ ہیں:

① مولیٰ سلطان سیدی محمد بن عبداللہ علوی جو امام عبدالعزیز بن محمد کے معاصر تھے اور انھیں امام سعود کا خط ملا تھا۔

② مولیٰ سلطان سلیمان بن محمد بن عبداللہ علوی جنھوں نے اپنے فرزند مولی ابراہیم کے ساتھ علماء کا وفد بھیجا تھا اور انھوں نے امام سعود بن عبدالعزیز اور وہاں کے علماء سے بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیال کیا تھا۔

③ مولیٰ سلطان ابراہیم بن سلیمان بن محمد بن عبداللہ علوی جنھوں نے اپنے والد سلطان سلیمان کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔

④ مولیٰ سلطان الحسن الاول 1300ھ میں بادشاہ بنے اور یہ سعودی حکومت کے دوسرے اور تیسرے دور کی درمیانی مدت میں تھے جس کی بنیاد شاہ عبدالعزیز نے 5 شوال 1319ھ میں رکھی۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی جو حسنی سادات اور مراکش کے شاہی خاندان میں سے تھے، شروع شروع میں وہ تیجانی [1] تھے لیکن جب انھیں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کی

---

[1] تیجانی صوفیوں کا ایک فرقہ تھا جس کا آغاز شمالی افریقہ میں ابوالعباس احمد بن محمد التیجانی (م 1230ھ) سے ہوا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 148/6)

حقیقت معلوم ہوئی تو پھر وہ جہاں بھی گئے، اسی کی نشر و اشاعت کی جدوجہد کرتے رہے۔ آخری عمر میں شہر فاس میں سکونت اختیار کی، پھر الدار البیضاء منتقل ہو گئے اور وہیں وفات پا گئے رحمہ اللہ، انھوں نے تیجانی مذہب سے براءت اور اس کے بطلان پر ایک رسالہ بھی لکھا۔ اسی طرح شیخ عبدالرحمٰن افریقی جو سینیگال کے رہنے والے اور تیجانی فرقے کے ماننے والے تھے لیکن انھوں نے اسے ترک کر دیا اور اس کی تردید و مذمت میں ایک کتاب لکھی۔

اس طرح مراکش میں سلفی دعوت کی توسیع و ابلاغ اور اس کے قائدین کے علمائے حجاز و نجد سے متاثر ہونے کے بارے میں اس وقت سے لے کر اب تک متعدد تحریریں سامنے آئی ہیں۔ اور استاد احمد العماری نے الوتری کے رسالے کی تحقیق کی ہے، انھوں نے مؤلف کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلفیت کے خلاف مؤلف کا حملہ ان کی صوفیانہ تنگ نظری کی دلیل ہے، یہ محقق بھی مراکشی ہیں۔

پھر میں نے کہا: غالباً آپ حضرات کے اطمینان اور تشفی کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن اگر آپ کی خواہش ہے کہ مزید توضیح و تفصیل کے لیے عالم اسلام کے دیگر علماء کے اقوال و آراء بھی پیش کیے جائیں، یورپین مستشرقین کے نقطۂ نظر کا ذکر کیا جائے جنھوں نے واقعات کا جائزہ لیا اور اس دعوت کی تاریخ کا تتبع کیا ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اس کے لیے بہت سی ایسی کتابوں کی ضرورت پڑے گی جو شاید یہاں موجود نہ ہوں، اس لیے میں نے صرف علماء و حکام مغرب کے اقوال و آراء ہی پر اکتفا کیا ہے، اس لیے کہ اس مجلس کے سبھی شرکاء مغربی ہیں، ان کی کتابیں بھی اسی کتب خانے میں دستیاب ہیں۔ اور ان پر حاضرین کو اعتماد بھی زیادہ ہوگا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ لوگوں سے ان کی معلومات کے مطابق ہی گفتگو کرو مبادا اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا دیا جائے۔

میرے میزبان نے کہا کہ آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ ایک روشن اور اطمینان بخش

حقیقت ہے اور الحمدللہ اس سے ان تمام شبہات کا ازالہ ہوگیا جو رہ رہ کر پیش کیے جاتے تھے۔کیا خیال ہے احباب کا؟ سب حاضرین نے جواب دیا: یہ تو بالکل صحیح ہے۔ پھر میرے میزبان نے کہا کہ یہ تسلی بخش جوابات جو ہمارے پاس موجود ہیں اورانھیں آسانی سے دیکھا بھی جاسکتا ہے،معلوم نہیں یہ ہم سے کس طرح پوشیدہ رہ گئے؟

میں نے کہا کہ اس کا جواب تو آپ لوگ ہی دے سکیں گے،اللہ کے ہاں علماء کی ذمے داری بہت بڑی ہے۔علماء جاہلوں کی طرح نہیں ہوتے کہ جو کچھ سنیں،اُسے آنکھیں میچ کر صحیح سمجھ لیں۔عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بات کی مکمل تحقیق اور پوری چھان بین کے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہ کرے۔کسی عامی یا نیم عالم کے لیے تو کوئی عذر ہوسکتا ہے لیکن ایک عالم اور یونیورسٹی کے پروفیسر کے لیے عذر کی کوئی گنجائش نہیں۔انھیں تو دوسروں کے لیے نمونہ ہونا چاہیے،اس لیے کہ طلبہ ان سے سیکھتے ہیں اوراپنے شکوک وشبہات کے ازالے کے لیے ان کی توجیہ وارشاد کے منتظر ہوتے ہیں۔

انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ اس موضوع پر ایک مضمون لکھ سکتے ہیں تاکہ تطوان سے نکلنے والے جریدہ"النور"میں اسے شائع کیا جائے؟

میں نے کہا: جی ہاں! پھر سعودی عرب واپس پہنچنے کے بعد میں نے انھیں ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر بھیج دیا۔یہ مقالہ چھپا تو میرے پاس متعدد خطوط آئے۔بعض خطوط میں تائید تھی اور بعض میں تنقید۔"وہابیت" کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا،یہ اُس کی بازگشت تھی۔جن لوگوں سے میری بات چیت ہوئی تھی،ان کی خواہش تھی کہ میں یہ مقالہ اورزیادہ تفصیل سے لکھوں جس میں مزید معلومات جمع کی جائیں تاکہ وہ ایک رسالے کی شکل میں شائع کیا جاسکے۔

میں نے اس خواہش کی تکمیل کی اور الحمدللہ رسالہ تیار ہوگیا۔میں نے کوشش کی کہ رسالہ زیادہ طویل نہ ہونے پائے۔اور مراجع و مآخذ کا حوالہ دیا جائے تاکہ جنھیں اس سلسلے میں مزید

تحقیق اور زیادہ معلومات کی طلب ہو، وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکیں۔

یہ رسالہ پہلی بار مغرب اقصیٰ کے شہر تطوان میں 1407ھ کے لگ بھگ شائع ہوا۔ پھر چند برسوں کے بعد دوسری بار 1413ھ میں ریاض سے شائع ہوا۔ اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شر پسندوں کے مذموم ارادوں سے محفوظ رکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے دُشمن، دنیاوی مال و زر اور جاہ و حشمت کے پجاری مسلمانوں کی صفوں میں انتشار برپا کرنے اور طرح طرح کے اختلافات پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اسی قماش کے لوگوں کو ''رُستمی وہابیت'' کا بنا بنایا پیرہن مل گیا تو انھوں نے اس گدھے کی کھال کو صحیح اور سلفی دعوت کے شیرِ غاب پر منڈھ دیا، اس ڈر سے مبادا مسلمان ان کے خلاف متحد ہو جائیں۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ بھوکوں کی طرح لقمہ دینے والوں کے پیچھے پیچھے یوں دوڑتے رہیں جس طرح کمینوں کے دستر خوان پر یتیموں کا حال ہوتا ہے۔ دوسری طرف ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ مسلمانوں میں نفرت و عداوت کی آگ بھڑکتی رہے تاکہ وہ اختلافات کا دائرہ وسیع کر کے اور اسلامی معاشرے میں شکوک و شبہات پھیلا کر اپنے گھٹیا مقاصد کی تکمیل کرتے رہیں۔

بحمد اللہ! اس کتاب کی اشاعتِ ثانی کا بڑا فائدہ ہوا۔ بعض مشہور شخصیتوں کے بارے میں مجھے پتہ چلا کہ کمیونزم کے خاتمے کے بعد سابق سوویت یونین سے آزاد ہونے والی مسلم ریاستوں میں ان کے ساتھ نہایت عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ وہاں ایک عجیب و غریب فتوے کی بڑی اشاعت کی گئی۔ اسے پھیلانے والوں نے ان مسلمانوں کے دینی جذبات، صحیح اسلامی عقائد اور علومِ دین سے آگاہ نہ ہونے کا نہایت ظالمانہ فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ مشہور کر دیا کہ ایک وہابی کا قتل سو یہودیوں کے قتل سے افضل ہے۔ اس صورت حال سے فضا اتنی

مکدر ہوئی کہ سلفی لوگوں کا تنہا راستہ چلنا دُشوار ہوگیا۔ پھر بعض لوگوں نے علماء اور ائمۂ مساجد کے روبُرو بات چیت کی اور انھیں مدلل طور پر بتایا کہ رَسمی وہابیت اور چیز ہے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور اس کی حقیقت اس سے یکسر مختلف دوسری چیز ہے جیسا کہ اس کتاب میں بھی واضح کیا گیا ہے۔ اس طرح جہالت کا پردہ چاک ہوا، شبہات کا ازالہ ہوا اور دعوتِ حق کا صحیح مفہوم ان کے سامنے آیا، پھر اس کتاب کا وہاں کی مقامی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

ایک چیز جو ہر مسلمان کو یاد رکھنی چاہیے یہ ہے کہ دشمنانِ دین اپنے شبہات اور الزامات کی بار بار تکرار کرتے رہنے سے تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں لیکن علم و معرفت کا حصول اور حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق ہر چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں دیکھنا یہ ایسے مؤثر اور بے خطا ہتھیار ہیں جن کے ذریعے سے دشمنوں کی تمام چال بازیوں اور زہر آلودگیوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوتِ حق کے بارے میں تحقیق کرنے والے اس نتیجے پر پہنچے ہیں:

① یہ دعوت و تحریک کوئی ایسی مخصوص پارٹی نہیں ہے جس کا اپنا ایک خاص نظم و ضبط ہوتا ہے بلکہ یہ اللہ کے دین کی تجدید ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام اور اس امت کے سلف صالحین کا منہج تھا۔

② نہ یہ کوئی فقہی مذہب و مسلک ہے کہ اس کے ماننے والے دوسرے فقہی مذاہب کے مخالف ہوں۔

③ شیخ محمد بن عبدالوہاب ٹھیک اسی طرح کے سلفی العقیدہ تھے جیسا کہ ہر زمانے اور ہر خطے میں سلف صالحین کے طریقۂ کار کی دعوت دینے والے ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ

کی توحید اور تمام عبادتوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص کر دینے کی دعوت دیتے تھے۔

④ فروعی مسائل میں ان کا مذہب وہی تھا جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا تھا، بالکل اسی طرح جس طرح بہت سے سلفی احناف، سلفی شوافع اور سلفی مالکی ہوتے ہیں۔

اس گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مراکش کے ایک بادشاہ سلطان سیدی محمد بن عبداللہ العلوی اپنے بارے میں کہتے تھے: ''میں وہابی العقیدہ مالکی المذہب ہوں'' ظاہر ہے کہ ان کا مطلب رسمی وہابیت نہیں تھا بلکہ اس طرح وہ ان لوگوں کا رد کر رہے تھے جنھوں نے اس خالص توحید کی دعوت کو ''وہابیت'' کے غلط نام سے موسوم کیا تھا۔

یہی معاملہ شیخ عمران بن رضوان کا ہے۔ وہ خلیج کے مشرقی ساحل پر واقع ایران کے شہر لنجہ کے رہنے والے تھے۔ انھیں جب شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کی خبر پہنچی تو انھوں نے کہا: ''میں بھی وہابی ہوں۔'' حالانکہ وہ حنفی المذہب تھے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ شافعی تھے۔ انھوں نے اس دعوت کی تعریف کرتے ہوئے ایک قصیدہ بھی کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

إِنْ كَانَ تَابِعُ أَحْمَدَ مُتَوَهِّبًا
فَأَنَا الْمُقِرُّ بِأَنَّنِي وَهَّابِيٌّ

''اگر احمد مجتبیٰ ﷺ کا متبع وہابی ہوتا ہے تو میں اقرار کرتا ہوں کہ میں بھی وہابی ہوں۔''

اسی طرح امیر محمد بن اسماعیل الصنعانی جو یمن کے بڑے علماء میں سے تھے اور مسلکی اعتبار سے زیدی تھے، جب انھوں نے اس دعوتِ حق کا مطالعہ کیا تو وہ اس کے گرویدہ ہو گئے، انھوں نے سلفی تحریک اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سَلَامٌ عَلَى نَجْدٍ وَّمَنْ حَلَّ فِي نَجْدٍ
وَإِنْ كَانَ تَسْلِيمِي عَلَى الْبُعْدِ لَا يُجْدِي

”نجد اور نجد کے رہنے والے پر سلامتی ہو، اگر چہ دور سے میرا سلام کہنا کوئی نفع مند نہیں ہے۔“

اسی طرح یمن کے عالم امام شوکانی بھی تھے۔ [1]

ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے، وہ بھی مراکش کے علماء میں سے تھے اور ان کا تعلق شاہی خاندان کے حسنی سادات سے تھا۔ وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے بارے میں ایک قصیدے میں کہتے ہیں:

نَسَبُوا إِلَى الْوَهَّابِ خَيْرَ عِبَادَةٍ

فَيَا حَبَّذَا نِسْبَتِي إِلَى الْوَهَّابِيِّ

”بہترین عبادت کی وجہ سے انھوں نے وہاب سے منسوب کیا۔ وہابی کی طرف میری نسبت کس قدر اچھی ہے۔“

میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے یہ مختصر رسالہ ”وہابیت کے بارے میں ایک تاریخی غلطی کی تصحیح“ کے عنوان سے لکھا ہے تاکہ اسے آسانی سے پڑھا جا سکے کیونکہ اس زمانے میں ضخیم کتابیں صرف اہل اختصاص ہی پڑھتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوگا اور اُن دشمنان اسلام کے جھوٹے پروپیگنڈے کا پردہ چاک ہوگا جو ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے، ان میں اختلاف پیدا کرنے اور فکری اضطراب پیدا کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ کیا عجب اللہ تعالیٰ ان اوراق کے ذریعے اپنی سعی قادر سے مفاہیم کی تصحیح کر کے ذہنوں کو منور فرما دے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ.

---

[1] اس سلسلے میں شیخ ابن سحمان کی کتاب ”الدرر السنية“ کا مطالعہ مفید ہوگا، اس میں یہ قصائد بھی مذکور ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر عبداللہ ابوداہش کی کتاب ”من أدب الدعوة في جنوب الجزيرة“ یہ دراصل ان کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

حرفِ آغاز

مثل مشہور ہے کہ "لوگ جس چیز سے آگاہ نہ ہوں اس کے دشمن ہوتے ہیں۔" یہ بات آدھی سچائی ہے۔ پورا سچ یہ ہے کہ بعض لوگ اس چیز کے بھی دشمن ہوتے ہیں جو ان کی خواہشات کے منافی اور ان کے شخصی مفاد سے ٹکراتی ہو، حالانکہ فیصلہ شدہ حکم جسے انسان کو اپنی رائے قائم کرنے اور حکم لگانے میں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ تمام مسائل کو اُس آسمانی شریعت کی روشنی میں دیکھا اور جانچا جائے جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا، نہ اس میں کوئی شک پیدا ہوسکتا ہے۔

بغیر امتیاز وتفریق ہر جگہ کے مسلمانوں کو اٹل ابدی حکم ہے کہ عقیدے کے مسائل اور دین سے متعلق ہر چیز میں کسی خاص نقطۂ نظر کی طرف جانے اور مذمت یا تعریف کرنے سے پہلے اپنے دین کے دونوں مصادر کتاب اللہ اور سنت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرلیں۔ جو شخص ان دونوں کے مخالف کوئی چیز لائے، اسے چھوڑ دیا جائے۔ اور جو قول وعمل میں ان دونوں کے مطابق چلے، اس کی تائید اور مدد کی جائے۔ ایک مسلمان فرد کا یہی کردار ہونا چاہیے، یہ حکم ہے اور یہ شعور، سمجھ، تجزیہ اور تاکید کی بات ہے۔ مسلمان مقلد بن کر نہ رہے کہ دوسروں کی صدائے بازگشت نقل کرتا رہے اور اس کی لاعلمی سے دشمنانِ دینِ اسلام غلط فائدہ اٹھاتے رہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝﴾

"اے مسلمانو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پشیمانی اُٹھاؤ۔" [1]

اس آیت کی شانِ نزول بنی مصطلق کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ اس میں ایک ایسی مومن جماعت کے لیے جو اپنے دین کی حفاظت کی کوشش میں رہتی ہے اور جس کا تعلق دوسرے مسلمان بھائیوں سے ہے، اس بات کا علمی درس ہے کہ ہر ایسی افواہ جس کا مقصد مسلمانوں کی صفوں میں خلل ڈالنا، دُشمنی کے بیج بونا اور تفریق کا موقع فراہم کرنا ہو، اس کی تحقیق کی جائے۔

ایسے دشمنوں کی کمی نہیں جو مسلمانوں کو دھوکا دینے اور ان کے پیچھے ہٹنے کی وجوہ جواز نکالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ انھیں حقیقت اسلام اور اس کی غیر آلودہ پاکیزگی سے دور رکھیں اور مسلمانوں کے دین میں ایسی چیزیں داخل کر دیں جو یہودی اور عیسائی مذہب کے رسوم ورواج کی اصل سے تعلق رکھتی ہیں اور ان آسمانی مذاہب میں تبدیلی کر کے انھیں پہلے ہی خراب کر چکی ہیں اور بزعم خویش بعض عابدوں اور علماء کے ذریعے وہی مہلک رسوم ورواج مسلمانوں میں پھیلانے کی مسلسل کوشش میں ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان یہود ونصاریٰ کی طرح نافرمانیوں میں برابر ہو جائیں، تاکہ اس طرح مسلم معاشرے پر اثر انداز ہونا آسان ہو جائے اور یوں اس میں ایسی چیزیں داخل کر دی جائیں جو مسلمانوں کو اسلام سے دور کر دیں اور وقت کی رفتار اور غفلت کے ساتھ ساتھ مسافت بڑھتی، دوری زیادہ ہوتی جائے اور اس قدر فاصلے پھیل جائیں کہ اسلام مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو کر رہ جائے۔ سفیان ثوری (97-171ھ) رحمہ اللہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا: مسلمانوں کے علماء میں سے جو خراب ہو جائے، اس میں یہودیوں سے مشابہت ہو جاتی ہے جو صاحب علم ہوتے ہیں لیکن عمل سے عاری ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے عابدوں میں سے جس میں خرابی آ جائے، اس میں نصاریٰ سے مشابہت ہو جاتی

---

[1] الحجرات 49:6

ہے، جو جہالت و گمراہی پر ہوتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سلامتی اور عافیت میں رکھے![1]

یہیں سے شریعت میں اسلام کے خالص ہونے، عقیدے میں اس کی صفائی، قول و عمل اور اعتقاد میں میانہ رو اور افضل اور اللہ کے ساتھ تعلق میں بلند ترین ہونے کا پتہ چلتا ہے، اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ہر چیز اور امتوں کے درمیان بہترین امت بنایا ہے۔ اس کا ارشاد ہے:

﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا ٱلْقِبْلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ ٱلرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَٰنَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِٱلنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول اللہ (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں اور ہم نے وہ قبلہ (بیت المقدس) جس پر تو تھا، مقرر نہیں کیا تھا مگر اس لیے کہ ہم جان لیں، کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے اور یقیناً یہ بات بہت دشوار تھی مگر ان لوگوں پر (نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارا ایمان ضائع کر دے۔ بے شک اللہ لوگوں پر بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''[2]

تو امت مسلمہ عیسائیوں کی رہبانیت، عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کی اعتقادی غلو آمیزی، جہالت و گمراہی کے ساتھ ان کی عبادت، چرچ کے پادریوں کی بغیر سمجھے بوجھے پیروی کرنے اور یہودیوں کی حیلہ بازی، کذب بیانی، اللہ جل شانہ اور اس کے پیغمبروں پر زبان درازی،

---

[1] قول مذکور کو بعض لوگ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے منسوب کرتے ہیں۔

[2] البقرة 2:143. کلمہ (وسط) کے مفہوم کے متعلق سید قطب رحمہ اللہ کے اقوال ظلال القرآن میں دیکھیے۔

قصداً گمراہ ہونے، دوسروں کو گمراہ کرنے، بگاڑنے اور نافرمانی کی غرض سے جو مذہب ان کے پاس اللہ کی جانب سے انبیاء اور رسولوں کی زبانی پہنچا، اس میں علمی اور اعتقادی حقائق چھپانے کے مابین ایک درمیانی، معتدل اور بہترین امت ہے۔

تاریخ اسلامی سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے آخری دور میں جب مبہم علوم کی کثرت اور واضح علم کی کمی ہوئی اور لوگ رومی فلسفے اور فارس و ہند کے علوم سے متاثر ہوئے تو اسلامی معاشرے میں جہالت پھیل گئی۔

اس سے پہلے اور اس وقت حکومت کے اطراف و جوانب میں اجنبی نظریات کے مؤثرات کچھ زیادہ ہی تھے، مختلف عقائد کے حامل فرقے، رنگا رنگ توجہات و مقاصد کا نمونہ بن کر پروان چڑھے، ان کے بیج عبداللہ بن سبا یہودی نے بوئے۔ یہ شخص پکا منافق تھا، ملتِ اسلامیہ کو دھوکا دینے کے لیے مسلمان ہوا تھا۔ بالآخر اُسے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت راشدہ میں مسلمانوں میں روح افتراق اور زہر انتشار پھیلانے کا مناسب موقع مل گیا۔

سبائی فرقے کے نام سے جو پہلا فرقہ پیدا ہوا، اس کی بنیاد اسی نے رکھی۔ بعض کتابوں میں جیسے شہرستانی کی "اَلْمِلَلُ وَالنِّحَلُ" ابن حزم کی "الفِصَل فِي المِلَلِ وَالْأَهْوَاءِ وَالنِّحَل" اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی اور اپنی کتابوں میں ان فرقوں کے عقائد، ان کے پروان چڑھنے کی کیفیت اور جس چیز میں یہ فرقے اہل سنت والجماعت کے مخالف ہیں، ان سب موضوعات کے بارے میں روشنی ڈالی ہے۔ ان میں سے بعض فرقوں کی تردید، ان کے عقائد اور کچھ دوسرے فرقوں کے اعمال و افکار کا تجزیہ کرنے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ امتیازی شان رکھتے ہیں۔

عالم اسلام میں فکری اور اعتقادی اسلامی تحریکوں کا جو بھی جائزہ لے گا، وہ اس تاریخ سے حقائق کا بخوبی ادراک کرے گا، چنانچہ بعض مسلمانوں کے فلسفۂ یونان اور فارس و ہند کے علوم

سے تعلق کے نتیجے میں اسلامی معاشرے میں نظریاتی کشمکش ابھر آئی۔

اسلامی معاشرہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں تھا جو صحیح صاف اسلامی عقیدے کے برعکس ان نظریات کے بیجوں کو خوب پہچانتے تھے جن میں نو وارد اعتقادات چھپے ہوئے تھے۔ اردگرد کے رہنے والوں کے ماحول میں جو ملاوٹ کردی جاتی اور ان کے عقیدے میں جو خرابی پیدا کی جاتی تھی، اس کی وہ اصلاح کر دیتے تھے کیونکہ روئے زمین پر جتنے بھی ادیان و مذاہب والے ہیں سب مسلمانوں کو ان کے دین حق سے ہٹا کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ط ﴾

"یہ لوگ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمھیں تمھارے دین سے مرتد کردیں۔"[1]

حق و باطل کی کشمکش میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ عقل کو رہنمائی ملے، دلوں کو سوجھ بوجھ نصیب ہو اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہتری چن لی ہے، وہ صحیح خیال کی طرف پلٹ جائے کیونکہ عقلی و نقلی دلیل سے حق بالکل عیاں ہے۔

اور یہ دعوت و توضیح کے ان فرائض کا ایک حصہ ہے جس کے حامل بنی اسرائیل تھے، لیکن عناد و ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا تو علمائے مسلمین ربانیین، جو اللہ کے عذاب اور اس کی سزا سے خائف ہیں، کا عقیدہ و عبادت میں منہج محمدی کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے لیے سامنے آنا ضروری تھا۔ ٹھیک ٹھیک اُسی طرح دعوت دینے کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی کتاب میں اعتقادی امور کی اصلاح کا حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کی دعوت دی ہے، پھر آپ ﷺ کے صحابہ اور بخوبی تعمیل حکم اور تنفیذ کرنے والے ان کے تابعین جس راہ پر گامزن رہے۔

---

[1] البقرة 2:217.

ہر دور اور ہر مقام پر صداقت کی علم بردار صحیح سالم دعوتوں کو مخالفین سے سابقہ پڑتا ہے، چاہے مخالفت جہالت سے ہو یا انفرادی تعصب یا خاص مقاصد اور ذاتی مفاد کی وجہ سے ہو، "فالھوی یعمی ویصم" کیونکہ خواہش نفس انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ یہی جذبات اس قسم کے لوگوں کو حرکت میں لے آتے ہیں تاکہ وہ اسلام کے رخ روشن پر علانیہ یا پس پردہ قاتلانہ وار کریں، مخلص داعیوں پر تہمتیں لگائیں۔ ایسے لوگ ذہنوں کو پریشان کرنے کے لیے کذب بیانی اور افترا پردازی سے کام لیتے ہیں، پھر ان داعیوں کا اعتماد ختم کرنے کے لیے نفرت دلانے والے القاب گھڑتے ہیں حتیٰ کہ عام لوگوں کی غالب اکثریت کی نگاہوں سے جو پڑھنا لکھنا اور تحقیق کرنا نہیں جانتی، اصل معاملہ اوجھل رہتا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اصلاحی سلفی دعوت جو بارہویں صدی ہجری میں وسط جزیرہ نمائے عرب سے اُس وقت ابھری جبکہ مسلمان صرف جزیرہ نمائے عرب ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ اس کے سخت محتاج تھے تاکہ ان پر چھائی ہوئی جہالت سے انھیں نجات دلائی جائے اور عقیدہ و عبادات کے سلسلے میں ان کے خیالات کی اصلاح کی جائے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ سخت اور وحشت ناک معاملہ دینی عبادات اور مسائل سے نابلد علماء کی پیروی کرنا ہے جیسا کہ صادق مصدوق ﷺ اپنی امت کے بارے میں اسی بات کا خوف محسوس کرتے تھے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے ان گمراہ کرنے والے علماء کی خبر دی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے علاوہ دوسرے ذرائع سے فتوے دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں:

«إِنَّ اللهَ لَا يَنْزِعُ الْعِلْمَ بَعْدَ أَنْ أَعْطَاكُمُوهُ انْتِزَاعًا، وَلٰكِنْ يَنْتَزِعُهُ مَعَ قَبْضِ الْعُلَمَاءِ بِعِلْمِهِمْ فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ فَيَضِلُّونَ وَيُضِلُّونَ»

''یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں علم دینے کے بعد اسے تم سے اچانک نہیں چھینے گا بلکہ علماء کو ان کے علم کے ساتھ اٹھاتا رہے گا اور جاہل لوگ باقی رہ جائیں گے۔ ان سے فتویٰ پوچھا جائے گا تو وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' [1]

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت خالصتاً للّٰہی دعوت تھی۔ یہ اسلامی تعلیمات کو طرح طرح کی ملاوٹوں اور آلودگیوں سے پاک کرنے کا عملی اقدام تھا۔ خاص طور پر توحید میں، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات میں خالقِ حقیقی کے ساتھ مخلوق کی جو شراکت کر دی گئی تھی، شیخ رحمہ اللہ کی دعوت اُس کے ازالے کی پکار تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص عبادتوں میں عملاً و اعتقاداً مخلوق کو شریک کرنے، اللہ تعالیٰ کی صفات معطل کرنے یا ایسی تاویلات مان کر ان کا انکار کرنے کے خلاف بلند آہنگ ندا تھی جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری۔

توحید اپنے تینوں اجزاء: ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات سمیت طرح طرح کی ملاوٹوں سے گدلی ہوگئی تھی اور عملاً و اعتقاداً اس میں ایسی چیز داخل ہوگئی تھی جو اس کو اُس منہج کی حقیقت سے دور ہٹا دے جو مصطفیٰ ﷺ لے کر آئے۔ اس کے برخلاف اعتقادات سے تأثر، پھر ان اعتقادات کے حاملین کی باتوں سے لاجواب ہو کر ظاہری شکل وصورت اور نعروں سے خوش ہو کر ان کی پیروی کا لازمی نتیجہ یہی تھا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ ﴾

''بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی

---

[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يذكر من ذم الرأي وتكلف القياس، حديث: 7307.

باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے، حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔"[1]

ایسا محض اس لیے ہوتا ہے کہ نفوس ٹھوس بنیاد، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے جو کچھ مشروع کیا ہے، اس کے علم وفہم اور حکمت پیدائش کی معرفت سے خالی ہو گئے ہیں۔ اس علمی کمزوری سے سوجھ بوجھ گھٹی اور غالب و مؤثر قوموں کی تقلید بڑھی تو صوفیانہ طریقے وجود میں آ گئے۔ ان طریقوں کا آغاز دنیا سے بے رغبتی اور اسلام کی حفاظت کے خیال سے ہوا۔ ان کی ابتدا یقیناً اچھی اور مقصد بلند تھا لیکن جہالت اور معاشرتی مقام و مرتبہ جو منصب دینی کے نام سے ظاہر ہوا، وراثت میں اس کے حصول کی خواہش ایسے لوگوں کو آگے لے آئی جن کے پاس علم ہے نہ امور عامہ کے بارے میں اسلامی شریعت کی رائے سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ نبی ﷺ کو اپنی امت پر اسی بات کا خوف تھا۔ اکثر صوفیانہ طریقوں میں پائے جانے والے پیروں مریدوں اور قطبوں اور سربراہوں کے اعمال، ان کا یہ زعم کہ وہ کسی حکم کے مکلف نہیں، ان کے اور اللہ کے درمیان سے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ ان باتوں پر جو بھی غور کرے گا اور ان کا نصاریٰ کے عقیدۂ بخشش گناہ، چرچ میں پادریوں کے مقام، میلاد کی رسم اور بخشش گناہ کے پروانوں سے موازنہ کرے گا، اسے معلوم ہوگا کہ یہ سارے معاملات مختلف پہلوؤں سے ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں۔ جہالت یا تقلید کی بنا پر ہونے والی ہر طرح کی خارجی آمیزشوں سے، چاہے وہ مذہب یہودیت کی ہوں یا نصرانیت کی یا قبل از اسلام زمانۂ جاہلیت کی، ان سے اسلام کی تطہیر کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے:

﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى

[1] البقرة 2:204، 205.

اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○ ﴾

''آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے اپنے پاس علم آ جانے کے باوجود ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا کوئی ولی ہوگا نہ مددگار۔''①

علمائے مسلمین جنھیں دینی امور سے صحیح طور پر آگاہی ہو، انھی پر شریعت اسلامی کے دونوں مصادر: کتاب اللہ اور رسول امین ﷺ کی صحیح ثابت شدہ سنت کی توضیح وتشریح اور دعوت وارشاد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہر داعی کو اس ذمہ داری کا احساس ہونا اور علمائے مسلمین میں سے ہر عالم کو اس کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ داعیانِ الی اللہ اور مصلحین کی تاریخ میں، اس خالص اور کبھی خشک نہ ہونے والے موجزن چشمۂ فیاض سے لوگوں کی دعوت میں مسلسل لگے رہنے کے روشن صفحات موجود ہیں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اسی صاحبِ عزیمت لشکر کے ایک فرد ہیں جس نے اصلاح وتعلیم کے لیے تابعین اور تبع تابعین کا سیدھا اور سچا راستہ اختیار کیا۔ اُنھوں نے علماء کی کثرت کے باوجود انتہا پسند صوفیت میں مبتلا زندگی گزارنے والا معاشرہ اور مسلمانوں کو ان قبروں سے وابستہ پایا جو کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں دیتیں۔ انھوں نے دیکھا کہ اکثر لوگ بے حس وحرکت پتھروں سے برکت حاصل کرنے اور کلام اللہ کی بے جا تاویل کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جمادات سے نفع طلب کرنے اور دفعِ ضرر کی غرض سے چمٹے ہوئے ہیں اور اس حقیقتِ عظمیٰ کو بھول گئے ہیں کہ تنہا اللہ تعالیٰ ہی نفع دینے والا اور ضرر پہنچانے والا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی ایسا عمل

جو خالص اس کی ذات کریم کے لیے نہ ہو، قبول نہیں فرماتا۔ یہ ماحول شیخ پر بڑا شاق گزرا کیونکہ اس میں خالق حقیقی کے برخلاف عقیدہ و عمل کو غیر اللہ کی طرف پھیرنے کی جسارت پائی جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے فضل سے ہر چیز سے نوازنے والا ہے۔ اس وقت صرف نجد ہی نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کے معاشرے کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس حالت کا اندازہ کرنے کے لیے ایک امریکی مؤرخ ''لوتھروب سٹیوارڈ'' کا تبصرہ پڑھ لیجیے۔ وہ کہتا ہے:

''...... دین پر سیاہ بدلی چھا گئی اور جس وحدانیت کی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی، اس پر خرافات کی کھال اور صوفیت کا غلاف چڑھا دیا گیا۔ مسجدیں نمازیوں سے خالی ہوگئیں، ان پڑھ اور مجہول النسب علم کے دعوے داروں کی کثرت ہوگئی۔ فقراء اور مساکین کے ٹولے اپنی گردنوں میں تعویذ لٹکائے جا بجا گھومنے لگے، لوگوں کو بے بنیاد باتوں، مغالطوں اور طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرنے لگے، اولیاء کی قبروں کی زیارت کی رغبت دلانے لگے، قبرستانوں کے صحن شفاعت کی درخواستوں کے میدان بن گئے۔ لوگوں کی نگاہوں سے قرآن کی فضیلتیں اوجھل ہوگئیں، اگر اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں واپس آجائیں اور اسلام کے دعوے داروں کو دیکھیں تو وہ ان سے ناراض ہو جائیں گے۔''

بقول شیخ عبداللہ خیاط امام حرم مکی، یہ تبصرہ ایک انصاف پسند دشمن کی جس کے مسلمان ہونے کی خبر نہیں، بڑی سچی گواہی ہے، بارہویں صدی ہجری میں اسلام اور اسلامی معاشرہ انحطاط کی جس حد کو پہنچ گیا، اس کا تبصرہ اُس کی بڑی سچی تصویر ہے۔[1]

امیر شکیب ارسلان اس مؤرخ کے متعلق فرماتے ہیں: اگر فلاسفۂ اسلام میں سے کوئی فلسفی

---

[1] بیان مذکورہ فضیلۃ الشیخ عبداللہ خیاط کے ایک مقالے کے ضمن میں ہے جو اخبار عکاظ کے جمادی الأولیٰ 1404ھ کے شمارے میں شائع ہوا، نیز دیکھیے استاذ عبداللہ بن رویشد کی کتاب ''الإمام محمد بن عبدالوھاب'': 2/245،246، منقول شدہ از کتاب ''حضارۃ العالم الإسلامي''

ان آخری صدیوں میں مسلمانوں کے حالات کی تصویر کشی کرنا چاہے تو وہ اس سے بہتر تصویر نہیں کھینچ سکتا جو اس امریکی مصنف اسٹیوارڈ نے کھینچ کر رکھ دی ہے۔ نجد اور جزیرہ نمائے عرب اس وقت دیگر اسلامی ملکوں سے مختلف نہیں تھے۔ اکثر اسلامی ملکوں میں حق کی روشنی باطل کی گھٹاؤں میں چھپ گئی تھی۔ بدعات وخرافات کی بہتات ہوچکی تھی، علماء موجود تھے لیکن لوگوں کی صحیح راستے کی طرف رہنمائی نہیں کرتے تھے بلکہ انھیں گمراہ کر کے ان کے عقیدے خراب کرتے تھے۔

دو نجدی مؤرخ

حسین بن غنام احسائی نجدی متوفی 1225ھ اور عثمان بن بشر متوفی 1290ھ اپنے عہد کے بڑے ثقہ مؤرخ ہیں۔ انھوں نے اسلامی ملکوں خاص طور پر عرب ممالک کے حالات بہت قریب سے دیکھے۔ اس وقت اہلِ نجد کی عقیدہ وعبادت میں جو حالت ہو چکی تھی۔ یہ اُس کے عینی گواہ ہیں۔ انھوں نے جو کچھ دیکھا بے کم وکاست بیان کر دیا۔

ابن غنام شیخ محمد کی دعوتِ حق کے اوّلین مبصر ہیں۔ شیخ محمد رحمہ اللہ جس جاں فشانی سے دعوتِ حق دیتے رہے اور اس سلسلے میں جس طرح اپنا اثر ورسوخ بروئے کار لاتے رہے اُس کے مناظر واحوال ابن غنام نے خود دیکھے اور وہ اس ایمان افروز دعوت کے شیدائی بن گئے۔ اُنھوں نے اس دعوتِ حق کی تاریخ لکھی اور اس کی خاطر شہر احساء سے منتقل ہو کر درعیہ میں سکونت اختیار کی، یہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ اپنی تاریخی کتاب میں عرب ممالک کی عام اور نجد کی خاص طور پر حالت زار بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے زید بن خطاب کی قبر پرستی کا حال بتایا ہے جس پر ایک قبہ تھا اور جن کا ریاض کے قریب قصبہ جبیلہ میں مزار تھا، اس کے علاوہ بعض ایسے صحابہ کی قبریں اور قبے بھی تھے جو مرتدین کے خلاف جنگوں میں شہید ہوئے تھے۔ ان قبروں کے پاس لوگ اللہ کے ساتھ غیر اللہ کے نام پکار کر کھلے بندوں کاروبارِ شرک کرتے

تھے۔ان کے نام کی نذر مانتے تھے۔ان سے برکت حاصل کرنے اوران کا وسیلہ پکڑنے کا دھندا کرتے تھے۔انھوں نے بتایا ہے کہ یہ کام صرف قبروں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ درخت، پتھر اور شیطانوں کے پاس بھی یہی کاروبارِ شرک ہورہا ہے۔[1]

ابن غنام اس نوعیت کے واقعات کے ہم عصر ہیں، انھوں نے ان واقعات کی رُوداد نظریاتی اعتبار سے قلم بند کی ہے۔ان کے جانشین ابن بشر نے واقعات کے رُخ اور رفتار کو زیادہ بہتر طور پر سمجھا ہے۔ان کی تاریخ میں موجود ہے کہ نجد بھی دیگر اسلامی ملکوں کی طرح اصل حقیقت سے منحرف اور اُس اعتقادی گراوٹ کا شکار[2] ہوگیا تھا جسے مصلحت پرست لوگ اور مشائخ طریقت رواج دیتے تھے۔

یہی وہ مرحلہ ہے جب شیخ محمد کی غیرتِ دینی جوش میں آئی، معرفت کا حق ادا کرتے اور علم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے وہ دعوتِ حق کے لیے بے تاب ہو گئے۔ان کا خیال تھا کہ علم کے لیے عمل ضروری ہے اور اسلام کے جو کام چھوڑ دیے گئے ہیں یا جو نئی چیزیں ٹھونس دی گئی ہیں اور لوگوں کی زندگی میں اس طرح رائج ہوگئیں گویا وہ لوازمِ عقیدہ میں سے ہیں یا دین کے احکام کا جز ہیں اور لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان پر عمل کرنا واجب ہے یا اسے ترک کرنا ضروری ہے، اس کی وضاحت کرنا ایک اہم امانت اور بہت بڑا فرض ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے۔

مفاد پرست علماء، بتکلف مصنوعی عالم بننے والے جہلاء اور طریقۂ تصوف کے لوگوں نے دین مشتبہ بنادیا، عقیدے خراب کردیے، لوگوں کو صحیح معنوں میں اسلامی احکام سمجھنے سے باز رکھا اور دنیوی کمائی اور بالا دستی میں اضافے کے لیے جو چیزیں انھیں بہتر معلوم ہوئیں، اُنھی کی

---

[1] دیکھیے تاریخ ابن غنام:1/5-18 .

[2] دیکھیے ابن بشر کی تاریخ: عنوان المجد في تاريخ نجد:1/ 35,34 و 45,44 .

طرف ان کی توجہ پھیر دی۔

ان حالات میں اس اصلاحی سلفی دعوت کو قریبی واقف کاروں کے انکار و مذمت سے واسطہ پڑا۔ دُور والے اس کے بارے میں خوف اور تشویش کا شکار ہو گئے۔ مخالفین اور مفاد پرستوں نے اس دعوت سے دشمنی پر کمر باندھ لی۔ چنانچہ شیخ محمد رحمہ اللہ پر ہر طرف سے تہمتوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی، تیر برسائے جانے لگے، ذہن جھوٹی تہمتوں کی فصلیں اُگانے لگے اور نفرت دلانے والے القاب ایجاد کرنے لگے۔ یہ صورت حال بدیہی تھی، غیر متوقع نہیں تھی۔ حق و صداقت کی آوازیں جب بھی اٹھی ہیں، انھیں پرانی چال چلنے والوں کی طرف سے ایسی ہی صورت حال سے واسطہ پیش آیا ہے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے نبی ﷺ سے کہا تھا:

﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ ﴾

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو انھی کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔''[1]

تاہم جانچ پرکھ اور تحقیق و جستجو کا وقفہ ختم ہونے، امتحان و آزمائش، بحث و مباحثہ، مناقشہ اور ردوقدح کے بعد واضح دلیل عیاں ہو جانے پر یہ مخالفت و مزاحمت ناپسندیدہ ہو جاتی ہے جیسا کہ سنجیدہ خط کتابت، بامقصد لٹریچر اور ان معتدل علمائے کرام کے خیالات سے عیاں ہوا جنھوں نے مکے میں علمائے سلفی دعوت کی ایک جماعت سے بحث و مباحثہ کیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ امام سعود بن عبدالعزیز جو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت پر چلے، انھوں نے کوئی نئی روش اختیار نہیں کی، نہ اپنی دعوت میں رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت کی مخالفت کی اور نہ شیخ محمد نے اپنی کتابوں میں قرآنی آیات کریمہ اور صحیح احادیث نبویہ کے علاوہ کسی اور چیز سے استدلال کیا ہے۔ یہ حقیقت اس وقت کے علمائے مکہ اور علمائے نجد کے درمیان، پھر 1226ھ

[1] الزخرف 23:43.

میں ایک طرف ابن سعود اور علمائے نجد اور دوسری جانب علمائے مراکش کے مابین تبادلۂ خیال سے روشن ہو گئی۔ اس امر کی گواہی مراکش کی تاریخ میں بھی محفوظ ہے۔ فی الجملہ بحث ومباحثہ سے فضا کا رُخ پلٹ گیا۔ ❶

عنقریب میں اس کتاب میں نجد کے ان مخصوص علماء کے نام پیش کروں گا جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے مقابلے میں آئے۔ وہ نجد سے دعوت کی دشمنی لے کر، اس پر الزام لگا کر مسلمانوں کے سامنے اس کی صورت بگاڑنے کی غرض سے نکلے، دور کے لوگوں نے ان کا دعویٰ مان لیا اور ان کے مضامین سے متاثر ہوئے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ شیخ محمد کی دعوتِ حق کے بارے میں انھیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ نہ وہ اس دعوت پر تہمت کے سبب سے آگاہ تھے۔ نہ وہ شیخ محمد اور اُن کی دعوت کے خلاف کذب بیانی اور بہتان تراشی کے اسباب و وجوہ سے واقف تھے۔

اسلامی ملکوں کے بعض علماء سے ہم معذرت خواہ ہیں کہ ان کے پاس علاقے کے بعض لوگ گڑگڑاتے ہوئے آئے اور اپنی خواہشات نفس کے مطابق سلفی دعوت کی نقش آرائی کی۔ ان میں سے بعض کو سامراجی ملکوں کے مصلحت پرستوں نے ابھارا۔ یہ بات علماء کے نزدیک معروف حسد، تعصب اور اختلاف کا نتیجہ تھی۔

مجھے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا خیال فقہ مالکی کی ایک قدیم کتاب (المعيار المعرب والجامع المغرب عن فتاوى علماء أفريقيا والأندلس والمغرب) کے مطالعے سے بھی آیا۔ مراکشی بھائیوں کے دلوں میں اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے، یہ کتاب بیروت میں 1981ء میں دار الغرب الإسلامي کے زیر اہتمام چھپ چکی ہے۔ اس کے مؤلف احمد بن

---

❶ اس کے لیے دیکھیے الإعلام بمن حل بمراكش وأغمات من الأعلام: 71,70/10، والاستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصى: 8/120-122، نیز دیکھیے البيان المفيد فيما اتفق عليه علماء مكة ونجد من عقائد التوحيد، پہلا ایڈیشن: 1244ھ۔

یحییٰ ونشریسی ہیں۔اس کے جز:11، ص:168 پر درج اس سوال پر میری توجہ مبذول ہوگئی:
''وہابی مذہب ماننے والوں سے کیسا معاملہ کیا جائے؟'' یہ سوال اس اعتبار سے یقیناً چونکا دینے والا ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اصلاحی اور تجدیدی دعوت جو اسلامی عقیدے میں در آنے والی غلطیوں کی اصلاح کرنے والی ہے، تقریباً اسی نام سے مشہور ہے جو دعوت کے دشمنوں، ان کے چیلوں اور ان کی ڈگر پر چلنے والوں نے رکھ چھوڑا ہے جبکہ انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کون ہیں؟ ان کی دعوت کیا تھی؟ اور کہاں سے اٹھی تھی؟

درحقیقت یہ اصطلاح منافرت پیدا کرنے کے لیے گھڑی گئی اور تصوف کے بعض مسلکوں نے ہوا دے کر اسے مروج کیا۔ اور اپنے مصالح یا مسلمانوں کو کمزور کرنے اور انھیں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے منہج اور صحیح دین سے دور کرنے کی خواہش اس کی محرک بنی اور ویسے بھی آل سعود کی نصرت وتائید سے نجد اور دیگر مقامات پر مسلمانوں کا اس دعوت کے قیام کا اہتمام مسلم علاقوں پر یورپی تسلط کے زمانے میں ہوا اور یورپی تسلط کا اصول ہی یہ ہے کہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' چنانچہ یہ لقب اُن دشمنانِ دینِ اسلام کی خواہش کا مظہر ہے جو مسلمانوں کا اتحاد کمزور کرنے اور ان کے درمیان اُن تعلقاتِ اُلفت ومحبت کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہیں جن کا دینِ حق داعی ہے اور جنھیں دینی تعلیمات نے زبردست اہمیت عطا کی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ اور فرمانِ رسول ﷺ سے عیاں ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾

''(یادرکھو!) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''[1]

---

[1] الحجرات 10:49.

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَىٰ مِنْهُ عُضْوٌ، تَدَاعَىٰ لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّىٰ»

''آپس میں محبت، ایک دوسرے پر رحم کرنے اور اظہار ہمدردی میں مومنین کی مثال ایک جسم جیسی ہے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی اعضائے جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔''[1]

اعدائے دین کا یہ عمل صرف مسلمانوں کو آپس میں لڑانے، خون خرابہ کرانے اور بغض و عداوت کی آگ بھڑکانے کے لیے ہوتا ہے کیونکہ (دشمنان اسلام) نے ایک طرف تو دینی امور کی تقریر کی تاثیر اور دوسری جانب عالم اسلام میں پھیلی ہوئی خوفناک ناخواندگی کا اچھی طرح اندازہ کر لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فی زمانہ عام مسلمان ادراکِ حقیقت کے لیے علم حاصل نہیں کرتے۔ یہ لوگ صرف وہی باتیں سمجھتے ہیں جو بزعم خویش مدعیانِ علم کی طرف سے کہی جاتی ہیں اور جو حکام کی طرف سے اپنے مصالح کے لیے ان مدعیانِ علم کے کانوں میں پھونک دی جاتی ہیں۔ چاہے وہاں اعلان حق کرنے اور دین حق کی دعوت دینے والی شخصیتیں بھی موجود ہوں جن کی بابت بالعموم یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ''وہ دور اندیش لیکن ناتواں لوگ تھے۔''

شیخ عبداللہ بن عبدالغنی خیاط امام وخطیب حرم مکی شریف نے اپنے مضمون میں جو اخبار ''عکاظ'' میں ہر سہ شنبہ کو نکلتا ہے، لکھا ہے کہ استاذ احمد علی کاظمی نے اپنی کتاب میں ایک برطانوی افسر کا حال لکھا ہے۔ اس کا نام ''ہارفورڈ برانگس'' ہے۔ یہ برطانوی افسر 1199ھ سے 1209ھ تک عراق میں بحیثیت سیاسی نمائندہ مقیم رہا۔ یہ شخص امام محمد کا ہم عصر تھا اور امیر سعود بن عبدالعزیز سے اس کے تعلقات تھے۔ موصوف 1218ھ میں اپنے والد کی شہادت کے بعد پہلی سعودی

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تراحم المؤمنين......، حديث:2586.

حکومت کے تیسرے حاکم ہوئے۔

اس افسر نے تحریک وہابیت کے بارے میں ایک مختصر تاریخ قلمبند کی ہے۔ اُس کے مضمون کی عبارت اس طرح ہے: دربارِ عالی نے مشہور کر رکھا ہے کہ ابن سعود لوگوں کو مدینہ منورہ کی زیارت سے روکتے تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کو روضۂ نبوی کے سامنے شرک کے کام کرنے سے اُسی طرح روکتے تھے جس طرح انھوں نے لوگوں کو اولیاء کی قبریں پوجنے سے روکا۔

سادہ لوح بھولے بھالے لوگوں نے اثر ورسوخ والے حکام کی بات پر اعتماد کر کے یقین کر لیا کہ تحریک وہابیت یا شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سلفی دعوت کفر ہے اور جو اس پر چلے گا، وہ کافر ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے جسے اس اعتقاد کے مطالعے سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ شیخ محمد اور ان کی پیروی کرنے والے ٹھیک ٹھیک کتاب وسنت کی راہ پر چلتے ہیں۔

رہی فقہ، یعنی مسلکی رخ کی بات تو یہ فقہ حنبلی کے مطابق ہے، ان کا کوئی پانچواں مذہب نہیں ہے جیسا کہ لوگوں نے عوام کو نفرت دلانے کی غرض سے ان کے بارے میں مشہور کر رکھا ہے۔ فقہ حنبلی نجد میں شیخ محمد کی ولادت سے ایک صدی سے بھی زیادہ مدت پہلے پہنچ چکی تھی۔ دمشق میں مدرسہ صالحیہ میں پڑھنے والے اور مصر میں پڑھنے والے لوگ فقہ حنبلی لے کر آئے جبکہ اس سے پہلے وہاں مالکی اور حنفی فقہ رائج تھی۔

برخاردت نے سچ کہا ہے کہ تحریک وہابیت کے متعلق جو بھی افواہ پھیلائی گئی، اس کی وجہ محض یہ تھی کہ دعوت وہابیت کی اس حقیقت کو اچھی طرح نہیں سمجھا گیا کہ اس کا مقصدِ وحید اسلامی تعلیمات کی حشو وزوائد سے تطہیر ہے۔

یہ ایک ایسے شخص کی گواہی ہے جو اسلام کو دین نہیں مانتا لیکن وہ انصاف پسند ضرور ہے اور اُس نے حقیقی صورت حال بتا دی ہے۔ اور یہ شہادت حق اُسی پر موقوف نہیں بلکہ ایسی گواہیاں

بڑی کثرت سے موجود ہیں، مثلاً:

استاذ منیٰ ہارون نے انگریز مصنف ''کونٹ ویلز'' کی تردید میں، امریکی محقق ''لوتھروب سٹیوارڈ'' نے اپنی کتاب ''حاضر العالم الإسلامي'' میں، جرمن مستشرق ''کارل بروکلمان'' نے اپنی کتاب ''تاریخ الشعوب الإسلامیه'' کی چوتھی جلد میں، جرمن مؤرخ ''ڈیکوپرٹ فون میکس'' نے اپنی کتاب ''عبدالعزیز'' میں جو 1953ء میں جرمنی میں شائع ہوئی۔ استاذ ''ڈیلفرڈ کینٹول'' نے کتاب ''الإسلام في نظر الغرب'' میں، جس کی تالیف مستشرقین کی ایک جماعت نے کی ہے فرانسیسی عالم ''برنارڈ لوئیس'' نے اپنی کتاب ''العرب في التاریخ'' میں، آسٹروی مستشرق ''گولڈ زیہر'' نے اپنی کتاب ''العقیدة والشریعة'' میں، انگریز مستشرق ''گِب'' نے اپنی کتاب ''المحمدیة'' (محمڈزم) میں۔ اور فرانسیسی مستشرق ''سیدیو'' نے اپنی کتاب ''تاریخ العرب العام'' میں ایسی ہی شہادتیں دی ہیں۔

برٹش انسائیکلو پیڈیا میں صاف صاف لکھا ہے کہ تحریک وہابیت اسلام میں اصلاحی تحریک کا نام ہے۔ اور وہابی صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے ارشادات کی پیروی کرتے ہیں، اس کے علاوہ ساری باتوں کو ترک کر دیتے ہیں اور تحریک وہابیت کے دشمن دراصل صحیح اسلام کے دشمن ہیں۔[1]

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سب لوگوں تک پہنچانا فرضِ عین ہے۔ یہ دعوتِ حق اسلامی ملکوں میں جہاں جہاں پہنچی وہاں کے انصاف پسند علماء نے اس کی تائید کی اور حق بات کہی، جیسے شیخ محمد بشیر سہوانی ہندی نے اپنی کتاب ''صیانة الإنسان عن وسوسة دحلان'' شیخ محمود شکری الوسی عراقی نے ''تاریخ نجد'' اور شیخ احمد بن سعید بغدادی عراقی نے

[1] دیکھیے استاذ عبداللہ بن رویشد کی کتاب ''محمد بن عبدالوھاب'': 354-345/2. اس میں ان لوگوں کے بیان کے اقتباسات ہیں۔

"ندیم الأدیب" میں بیان کیا ہے۔

ملک شام میں شیخ جمال الدین قاسمی، شیخ عبدالرزاق بیطار، شیخ طاہر جزائری اور شیخ محمد کامل قصاب نے اس تحریک کا مطالعہ کیا تو اسے بہت پسند کیا اور اسے حق اور درست پا کر شامی معاشرے میں اس کی ترویج واشاعت کی۔ اس بنا پر عثمانی حکومت نے تحریک کے سربراہ شیخ جمال الدین قاسمی کو 1908ء میں عدالت کے سپرد کر دیا لیکن عدالت نے انھیں بری قرار دے دیا۔ ان کے ساتھ بہت سے دیگر علماء کے خیالات بھی دعوت کے موافق ہیں، مثلاً: علامہ سید محمد رشید رضا نے اپنی کتابوں "محاورة المصلح والمقلد" اور "الوهابیون في الحجاز" کے علاوہ اپنے اخبار "المنار" میں شائع ہونے والے اپنے مضامین میں اس دعوتِ حق کی مکمل تائید کی ہے۔ اُن کی طرح محمد کرد علی، شکیب ارسلان، فلپ حِتّی، امین سعید، علی طنطاوی، زرکلی، محمد جمیل بیہم، عمر ابونصر اور عبدالمتعال صعیدی نے بھی کتاب "المجددون" میں تائیدی خیالات ظاہر کیے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح حامد فقی کے "أثر الدعوة الوهابیة" میں، عبدالعزیز بکر کے "الأدب العربي وتاریخه" میں مصطفیٰ حفناوی اور ڈاکٹر احمد امین کے "زعماء الاصلاح" میں، محمد قاسم کے "تاریخ یورپ" میں، مناع قطان کے "دعوة الإسلام" میں، عبدالکریم خطیب کے کتاب "محمد بن عبدالوہاب" میں، محمد ضیاء الدین کے کویتی پرچے "إرشاد" کے رجب 1373ھ کے شمارے میں، ڈاکٹر محمد بن عبداللہ ماضی کے "حاضر العالم الإسلامي" میں، احمد حسین کے 1948ء میں ادائے حج کے بعد لکھے گئے "جزیرۂ عرب کے آنکھوں دیکھے حالات" کے زیرِ عنوان مضمون میں، عقاد کے "الإسلام في القرن العشرین" میں، طٰہٰ حسین کے "الحیاة الأدبیة في جزیرة العرب" کے زیرِ عنوان مضمون مطبوعہ 1354ھ میں،[1] قطر کے شیخ احمد

---

[1] ان اقوال کے اقتباسات، ابن رویشد کی کتاب "محمد بن عبدالوہاب": 2/275-360 میں دیکھیے۔

بن حجر قاضی کے ان کی کتاب ''شیخ محمد بن عبدالوہاب'' میں، شیخ مسعود عالم ندوی کے ان کی کتاب ''محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' میں، ڈاکٹر محمد جمیل غازی کے ان کی کتاب ''مجدد القرن الثاني عشر'' یعنی بارہویں صدی کے مجدد میں، امین سعید کے ان کی کتاب ''سیرت امام محمد بن عبدالوہاب'' میں، مسلم جہنی کے ان کی کتاب ''أثر حركة الشيخ محمد بن عبدالوهاب في العالم الإسلامي'' میں اور شیخ ڈاکٹر صالح بن عبداللہ العبود کی کتاب ''عقيدة محمد بن عبدالوهاب السلفية'' میں ظاہر کردہ خیالات دعوتِ حق کی پُرجوش تائید وحمایت سے لبریز ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے علمائے کرام نے دعوتِ حق اور تحریک وہابیت کی زبردست حمایت کی ہے۔

اور یہ جو سلفی دعوت کو وہابیت کے نام سے مشہور کیا گیا تو یہ درحقیقت اس سلفی، اصلاحی دعوت کے مخالفین کا رکھا ہوا نام ہے جو جزیرہ نمائے عرب سے اللہ کے دین کے لیے بربنائے غیرت وحمیت بلند ہوئی جس کا مقصدِ وحید یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات کے ساتھ چپکائی ہوئی ملاوٹوں اور توحید میں خالق کے ساتھ مخلوق کی شرکت اور جو عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، ان میں مخلوق کی شمولیت کا خاتمہ کر دیا جائے کیونکہ اس طرح کی عبادت میں اس حدیث قدسی کے مضمون کی پامالی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ مَعِيَ فِيْهِ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ»

''میں شرکاء میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اُس نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا تو مجھے اُس کی اور اُس کے شرک کی کوئی پروا نہیں۔''[1]

[1] صحيح مسلم، الزهد، باب تحريم الرياء، حديث:2985.

اب ہماری کوشش یہ ہے کہ عوام الناس کے دلوں میں ایک طویل عرصے سے جو غلط فہمی موجود ہے، اُس کا ازالہ کیا جائے اور یہ بھی واضح کیا جائے کہ آخر یہ غلط فہمی پیدا کیوں ہوئی۔

دراصل اُن لوگوں نے جو سلفی دعوت کے شدید مخالف تھے، اس اصلاحی تحریک کو وہابیت کا لقب اس لیے دیا کہ اسے بدنام کیا جائے اور عوام الناس کے دلوں میں اس تحریک کے خلاف نفرت پیدا کی جائے۔ مخالفین کی نسلوں نے بھی وہابیت کی اصطلاح کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور تحریک کے خلاف نفرت پھیلانے میں وہ اپنے آباؤ اجداد سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے۔ وہابیت کی اصطلاح جن لوگوں نے سب سے پہلے اپنائی اور عوام میں مروج کی اُن میں اکثریت صوفیاء اور تارک الدنیا درویشوں کی ہے۔ صوفیاء کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ شفاف دینی تعلیمات کی موجودگی کے باوجود دینِ اسلام کی روح نہیں سمجھ سکے، اس لیے کہ اسلام میں رہبانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر وہ دین کے مزاج اور اس کی روح کو سمجھتے تو کبھی رہبانیت اختیار نہ کرتے۔ اس جہالت و نادانی کی وجہ یہ ہے کہ اکثر صوفیاء کی سوچ اُن کی اپنی ہی ذات تک محدود ہے۔ صوفیانہ مسلکوں کی دعوت سے اُن کا مقصد محض جلب منفعت ہے، یعنی جس قدر ہو سکے دنیا کا مال و متاع اکٹھا کیا جائے اور اپنی ساری مصلحتیں پوری کر کے زیادہ سے زیادہ ذاتی نفع حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ وہ یہ حقیقت فراموش کر چکے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کا رتبہ اس گھٹیا دنیاوی سیم و زر اور غلیظ سرمائے سے بہت بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں، انھیں اس اصل اصول کا ادراک ہی نہیں کہ انسان کو اپنے تمام اعمال میں اخلاص کا مظاہرہ کرنا اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار رہنا چاہیے۔

یہ بندگانِ درہم و دینار اپنے مخصوص اغراض و مقاصد کی خاطر سلفی تحریک کے خلاف رائے عامہ ہموار کرتے ہیں، اربابِ بست و کشاد کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں اور انھیں یہ خوف دلاتے ہیں کہ اگر انھوں نے اس صدائے حق پر کان دھرا تو وہ اُن تمام دنیاوی فوائد سے جو

انھیں میسر ہیں، محروم ہو جائیں گے اور عوام الناس کو اپنا مخالف بنالیں گے۔ یوں انھیں اپنے سرکاری مناصب سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔

دشمنانِ اسلام جو مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور اُن کے مابین نفرت کے بیج بونے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، انھوں نے بھی وہابیت کی خانہ ساز اصطلاح کو خوب اچھالا اور عام مسلمانوں کو سلفی دعوت سے متنفر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ دراصل اسلام کے دشمن اُن خطرات کو بھانپ چکے تھے جو انھیں دین اسلام کی صحیح دعوت کے پھیل جانے سے پیش آ سکتے تھے۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ دعوت مسلمانوں کی دینی غیرت وحمیت بیدار کر دے گی اور اس طرح ان کا عالم اسلام پر تسلط قائم کرنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت سے اہل قلم نے خامہ فرسائی کی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان تحریروں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے اور ان میں سے جو افراد راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں، انھیں سیدھا راستہ دکھائے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری طرح قادر ہے۔

جس چیز نے مجھے خاص طور پر متوجہ کیا اور اس موضوع پر گفتگو کے لیے اُکسایا، وہ وہی چیز ہے جو میں نے مذہب امام مالک رحمہ اللہ پر اس قدیم فقہی کتاب میں پایا اور جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس سوال نے مجھے چونکا کر رکھ دیا: ''وہابی مذہب ماننے والوں سے کیسا معاملہ کیا جائے؟''[1]

میں نے اس سوال کی عبارت پڑھی تو اس کا مضمون یہ تھا:

لخمی سے وہابیوں کی ایک ایسی جماعت کے بارے میں سوال کیا گیا جو مدت سے مسلمانوں کے مابین رہائش پذیر ہے، اب ان لوگوں نے اپنا مذہب ظاہر کر دیا اور مسجد بنالی ہے...... وغیرہ

[1] اس کتاب کا صفحہ: 15 دیکھیے۔

وغیرہ۔ اس سوال کا خاتمہ اس بات پر ہے: کیا جنھیں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کشادگی عطا فرمائی ہے، حاکم بنایا ہے، ان کا انکار کرنا، انھیں سرزنش کرنا اور قید کرنا تاکہ وہ وہابیت سے توبہ کرلیں، درست ہے؟

اس کا جواب صرف سختی اور تیزی کے جذبات سے دیا گیا، اس فرقے کے بارے میں اس امر کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ نسبت عبداللہ بن وہب راسبی خارجی کی طرف ہے یا کسی اور طرف۔ واضح رہے کہ عبداللہ بن وہب کی وفات 38 ھ میں علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ نہروان میں ہوئی کیونکہ وہ فیصلہ ''تحکیم'' [1] کے بعد ان سے باغی ہوگیا،...... بس اس کے علاوہ اور کسی دوسری چیز کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے، پس مراکش کے ایک بھائی نے عام ڈگر کی طرح یہی سمجھا کہ اس سے مراد شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سلفی دعوت ہے، موصوف نے شروع سے یہی بات پڑھی یا سنی تھی، اس لیے یہی بات ان کے ذہن میں جاگزیں تھی، چنانچہ اس ذیل میں وہ جو کچھ سمجھے بیٹھے تھے، اُس میں وہ حق بجانب تھے مگر جب ان سے بحث ومباحثہ ہوا تو الحمدللہ! انھیں ادراک حقیقت ہوگیا اور اس کے مطابق انھوں نے اپنے خیال سابق سے رجوع کرلیا۔ یہ کتاب انھی کی درخواست پر لکھی گئی ہے۔

لہٰذا اس پس منظر میں تو وہ اور دیگر اشخاص معذور ہیں کیونکہ اس دعوت پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور اس کا دفاع کرنے والے کم ہیں، پس یہ نام حد سے تجاوز کر گیا۔ زبان زدِ عام ہوگیا، رستمی خارجی وہابیت کے خلاف علمائے مراکش کے پرانے فتوے لوگوں کو اس دعوت سے نفرت دلاتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کی اس دعوت میں کچھ مخالفت دیکھتے ہوئے اس کے متبعین کو کافر کہتے ہیں کیونکہ لخمی کے علاوہ شیخ سیوری جیسے دیگر علماء نے بھی اسی طرح کا فتویٰ دیا ہے۔

[1] دیکھیے ابن اثیر کی ''الکامل'' 38 ھ کے واقعات۔

یہیں سے میری خواہش ہوئی کہ پہلے اس بات کی تحقیق کی جائے کہ سوال کرنے والے اور جواب دینے والے کے بیان میں وارد ''وہابیت'' سے کیا مراد ہے؟ پھر موضوع میں جو اشتباہ ہے، اس کا ازالہ ہو اور بطور علمی امانت معلومات کی محکمی کے لیے اس ابہام کی وضاحت ہو جسے بہت سے لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے۔

ان شبہات کے ساتھ ساتھ بعض دیگر غلط خیالات وافکار کی آمیزش بھی ہوئی جس نے اس خالص سلفی دعوت کو ایسا رنگ دے دیا جو اس کی حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

”وہابیت“ یا ”وہبیت“ سے کون لوگ مراد ہیں؟

دوسری صدی ہجری میں شمالی افریقہ میں عبدالوہاب بن رستم کے ذریعے اسی کی طرف نسبت سے ”وہابیت“ نامی فرقہ پھیلا۔ یہ اباضی خارجی فرقہ ”وہبیت“ کی شاخ ہے۔ اس کا یہ نام اس کے مؤسس اصلی عبداللہ بن وہب راسبی کی طرف نسبت کے باعث پڑا ہے، بعض لوگ اس کا نام ”راسبیہ“ بتاتے ہیں چونکہ پورے مراکش میں اہل سنت لوگ اس فرقے کے مختلف العقیدہ ہونے کی وجہ سے اس کا مقابلہ کر رہے تھے، بہت سے علمائے مراکش نے انھیں کافر ٹھہرایا ہے جیسا کہ ان کے پرانے فتووں سے عیاں ہے۔

یہیں سے میں نے مآخذ سے رجوع کیا اور خود تصدیق کرنی چاہی، علی بن محمد لخمی، جن سے فتویٰ پوچھا گیا تھا، کے سوانح دیکھے۔ ان کی وفات 478 ھ میں ہوئی، وہ مالکی فقیہ ہیں۔ اصلاً قیروانی ہیں۔ صفاقس میں ان کا انتقال ہوا۔ [1]

رہے مؤلف احمد بن یحییٰ ونشریسی تو کتاب ”المعیار“ کے ہر جز کے سرورق پر اور ان کے نام کے نیچے یہ عبارت درج ہے: اُن کی وفات ”فاس“ میں 914 ھ میں ہوئی جبکہ نجد میں سلفی اصلاحی دعوت دینے والے شیخ محمد بن عبدالوہاب پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، ان کی پیدائش ”عُیَیْنَہ“ میں 1115 ھ میں ہوئی اور انھوں نے دعوت کا آغاز درعیہ میں 1158 ھ سے امام محمد بن سعود کی معیت میں کیا۔ اس طرح جواب دینے والے لخمی کی وفات کے لحاظ سے متذکرہ سوال کا جواب شیخ محمد بن عبدالوہاب کی پیدائش سے چھ سو (600) سال سے بھی زیادہ مدت پہلے کا ہے۔ اور

---

[1] دیکھیے الحلل السندسية، ص: 143، والأعلام للزركلي: 148/5.

مؤلف ونشریسی کی وفات کے اعتبار سے یہ دوسو (200) سال سے زیادہ پرانی بات ہے۔ ان دونوں باتوں سے عدم آگہی ان لوگوں کے لیے اشتباہ کا باعث بن جاتی ہے جو اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

اس معاملے کے باعث میں تاریخی اعتبار سے مراکش کی کتابوں میں اس مذہب کی اصل ڈھونڈنے اور اُس وقت کا سراغ لگانے پر مجبور ہو گیا جب یہ معرضِ وجود میں آیا کیونکہ اس موضوع میں کچھ التباس ہے، اس لیے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ معاملہ دو باتوں میں ایک بات سے خالی نہیں۔ التباس یا تو مقصود سمجھنے میں ہوا یا کتاب میں کوئی ایسا اضافہ شامل کر دیا گیا جس کا جواب دینے والے اور مؤلفِ کتاب کو کوئی علم ہی نہ تھا، خاص طور پر اس لیے کہ یہ سوال اور اس کا جواب ونشریسی کے بیان میں ایک دفعہ ''وہبیت'' اور دوسری بار ''وہابیت'' کے نام سے سامنے آیا ہے۔ مزید برآں ناشر یا محقق نے اس پر کوئی توضیحی حاشیہ بھی نہیں لکھا۔ چنانچہ مجھے خیال آیا کہ مراکشیوں کی اکثر کتابیں، بالخصوص جن کا تعلق عقیدے سے ہے، ان کے مختلف مواقع ومقامات میں اس طرح کی وضاحت ضرور ہونی چاہیے۔

تاریخی واقعات کا ان کے مراجع سے ربط جوڑنے، قاری کو شریکِ مطالعہ کرنے اور ان معلومات کو نگاہ میں رکھنے کے لیے جن پر بعض مراجع مشتمل ہیں، موضوع کے حقیقی تاریخی مراجع کی ضرورت ہے تاکہ دشمنانِ اسلام نے امت مسلمہ کی تاریخ میں، اسلامی معاشرے کو ہر طرح کے اصلاحی اعتقادی کام سے نفرت دلانے کے لیے ملاوٹ کی جو کوشش کی ہے، اسے ہم جان سکیں کیونکہ مخلصانہ اصلاحی کام اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں میں باہم اُلفت و محبت اور بڑی وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ اعدائے اسلام یہ بھید جانتے ہیں کہ صحیح اسلام کی قولاً اور عملاً موجودگی میں شر پسند طاقتیں اسلامی ملکوں میں گھسنے کی راہ نہیں پا سکتیں، نہ ان طاقتوں کو مسلمانوں کے درمیان کوئی ٹھکانا مل سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي»

"مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔"

ان میں سے ایک چیز آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے:

«وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ»

"ایک مہینے کی مسافت تک لوگ مجھ سے مرعوب رہیں گے۔"[1]

دشمنانِ اسلام مسلمانوں کی خیرات و برکات سے فائدہ اٹھانے کے لیے اپنی مخصوص حکمت عملی "تفریق ڈالو اور حکمرانی کرو۔" (Divide And Rule) پر عمل کرتے ہوئے دیارِ اسلام میں داخلے کی کوئی راہ ضرور نکالیں گے کیونکہ دشمنانِ اسلام کی اسلامی ملکوں پر بالادستی، مسلمانوں کے معاملات پر تصرف، ان کے قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھانا اور فکری اعتبار سے ان پر غالب ہونا، یہ سارے مذموم مقاصد پھوٹ ڈالنے، بغض و عداوت کے اسباب پیدا کرنے، افراد اور جماعتوں کے مابین نفرت کا بیج بونے ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔

دشمنانِ اسلام کی مثال شیطان کی طرح ہے جو چوری چوری اور چپکے چپکے سنتا ہے، جونہی اُسے ایک بات مل جاتی ہے تو وہ اُس پر ذہنوں کو پریشان اور آپس میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے بہت سی جھوٹی باتوں کی بنیاد رکھ دیتا ہے۔

بعض صریح تاریخی عبارتوں اور مقامی و زمانی تفصیلات سے جن میں بعض پر میری نظر پڑی، میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں، چنانچہ تحقیق کے دوران شمالی افریقہ میں پائے گئے فرقۂ وہابیت کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں میرے سامنے آئیں:

① ڈاکٹر سید عبدالعزیز سالم کی کتاب "المغرب الکبیر" کی جلد دوم میں "عصر عباسی" کے

---

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبي ﷺ: جعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا، حديث: 438، وصحيح مسلم، الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 1163.

زیرِ عنوان یہ عبارت درج ہے: عبدالرحمٰن بن رُستم جس نے مراکش کے شہر ''تاہرت'' میں رستمی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جب 171ھ میں اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اُس نے دولتِ رستمیہ کے سات معزز حضرات کو حکومت کی تشکیل کی وصیت کی جن میں اس کا بیٹا عبدالوہاب اور ایک شخص یزید بن فندیک بھی شامل تھا۔ بیعت عبدالوہاب کے ہاتھ پر ہوگئی جس کے نتیجے میں اس کے اور ابن فندیک کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا۔

ابن رستم اور اس کے ساتھیوں کا مذہب ''اباضیہ'' تھا۔ جب ابن رستم نے اُسے مشرق سے مغرب، یعنی ''مراکش'' منتقل کیا تو یہ مذہب دو فرقوں ''وہابیت'' اور ''نکاریہ'' میں تقسیم ہو گیا۔ ''وہابیت'' کی نسبت عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم نے خود اپنے نام کی مناسبت سے رکھی۔ پھر ان دونوں فرقوں کے مابین خونریز جنگیں ہوئیں جن میں ''نکاریہ'' کو شکست ہوئی یہاں تک کہ اس کا سردار ''ابن قندیرہ'' قتل کر دیا گیا۔ ''نکاریہ'' کی اس کمزور حالت میں اُس سے معتزلہ فرقہ واصلیہ آ ملا۔

عبدالوہاب مذکور نے آخری عمر میں حج کا ارادہ کیا لیکن اس کے ماننے والوں نے اس پر عباسیوں کا خوف طاری کر دیا اور اُسے نصیحت کی کہ تم ''نفوسہ'' ہی میں رہو۔ یہی عبدالوہاب ہے جو شمالی افریقہ میں وسیع رستمی حکومت کا مؤسس مانا جاتا ہے۔ وہ 211ھ میں فوت ہوا۔[1]

② فرانسیسی مؤلف چارلی آندرے نے اپنی کتاب ''تاریخ أفریقیا الشمالیة'' میں، جس کا عربی میں ترجمہ محمد مزالی اور بشیر بن سلامہ نے کیا ہے، ممالک خوارج اور اسی سلسلے میں رستمی حکومت اور مملکت ''تاہرت'' کا حال بیان کیا ہے، مؤلف نے اس حکومت کے اعتقادات، اس کی وسعت، اس کے آثار تمدن اور اپنے ہم مذہبوں کے مخالف عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم

[1] دیکھیے المغرب الکبیر: 2/551-557، طبع دار النهضة العربية، بیروت، اس کتاب میں عبدالوہاب مذکور اور اس کی حکومت کے بارے میں وسیع معلومات درج ہیں۔

کی طرف منسوب کر کے اس کا نام ''وہابیت'' رکھنے پر مفصل اظہار خیال کیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ یہ فرقہ اعتقاد میں اہل سنت کے خلاف ہے۔ ❶

③ اسی طرح الفرڈبل نے اپنی کتاب ''الفرق الإسلامية في الشمال الأفريقي'' میں بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔ اس کتاب کے کئی ابواب کا فرانسیسی سے عربی میں ترجمہ عبدالرحمٰن بدوی نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''خوارج وهبيين'' سے، جن کا یہ نام ''عبداللہ بن وہب راسبی'' کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے پڑ گیا، سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ''نہروان'' میں جنگ کی، یہ لوگ اباضی خوارج تھے۔ ان کی تقسیم کے بارے میں الفرڈبل نے لکھا ہے کہ ''تاہرت'' میں مراکش کے اباضی انھی لوگوں میں سے ہیں، رستمی حکومت انھی کی تھی۔ یہ لوگ تعصب میں اور فرقوں کے مقابلے میں زیادہ سخت تھے۔ پھر الفرڈبل نے عبدالوہاب بن رُستم اور اُس کے پیروکاروں کا حال لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہی عبدالوہاب بن رُستم وہ شخص ہے جس کی طرف نسبت کے باعث اُس کے فرقے کا نام ''وہابیہ'' رکھا گیا۔ اس شخص نے مذہب اور اس کے عقائد میں بہت سی ترمیمیں کی تھیں۔ یہ لوگ فرقۂ اباضیہ میں سے زیادہ متقی تھے، یہ لوگ شیعوں سے بھی اتنے ہی متنفر تھے، جس قدر اہل سنت سے نفرت کرتے تھے۔ ❷

④ زرکلی نے ''الأعلام'' میں دس ایسی کتابوں کا خلاصہ نقل کیا ہے جن میں اباضیہ اور الجزائر کے شہر ''تیہرت'' میں رستمی حکومت کی تاریخ مدون ہے۔ زرکلی نے اس کے متعلق لکھا ہے: یہ عبدالوہاب، اباضیہ کے رستمی ائمہ میں سے دوسرا امام ہے، اصلاً فارسی ہے، منصب خلافت کے لیے باپ کی زندگی میں اس کا نام تجویز کر دیا گیا تھا لیکن باپ نے اسے مجلس شوریٰ کے حوالے

---

❶ تاريخ أفريقيا الشمالية: 2/40-50، نیز دوسرے مقامات کا مطالعہ کیجیے۔

❷ الفرق الإسلامية في الشمال الأفريقي، ص: 140-152.

کر دیا۔ باپ کی وفات کے تقریباً ایک ماہ بعد 171ھ میں یہ خلیفہ بنا اور اباضی وغیر اباضی پر اسے ایسی حکومت ملی کہ اس جیسی حکومت اس سے پہلے کسی اور اباضی خلیفہ کو نہیں ملی تھی۔ وہ عالم اور فقیہ تھا، نہایت دلیر تھا، بنفس نفیس جنگ کرتا تھا، اس کے بہت سے کارنامے بیان کیے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ آخر دم تک کارہائے نمایاں انجام دیتا رہا، اس کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ زرکلی نے 190ھ کی تاریخ راجح قرار دی ہے۔ [1]

اس مختصر خلاصے سے معلوم ہوا کہ اس فرقے کے بارے میں بہت سے معلومہ اُمور یکجا موجود ہیں۔ یہ اہم معلومات نہ صرف فرانسیسیوں اور اہلِ ملک نے جمع کی ہیں بلکہ اس میں ان اہلِ قلم کی کاوشیں بھی شامل ہیں جن میں بعض سے ہم آگاہ ہیں اور اکثریت سے ناواقف ہیں۔

عبدالوہاب رستمی مذکور نے ''تاہرت'' اپنا فکری مرکز بنایا، علمائے سنت اور پھر ان شیعوں کے ساتھ بحث ومباحثہ کا آغاز کیا جن کی تیسری صدی ہجری کے آخر میں فاطمی حکومت کے نام سے حکمرانی قائم ہوئی اور عبداللہ شیعی نے 297ھ میں رستمی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ [2]

بحث مباحثے سے رستمیوں کے اعتقادات جھوٹ ثابت ہوئے جو اہل سنت والجماعت کے صحیح احادیث سے ثابت شدہ عقائد سے مختلف تھے۔ اس بحث مباحثے سے علمائے مراکش کے نزدیک اس فرقے اور اس کے اعتقادات سے متعلقہ وہ گہری جڑیں پھوٹ کر نکلیں جن سے سامراجیوں اور مفاد پرستوں نے بعد میں مسلمانوں کے مابین عداوت کی آگ بھڑکانے کا کام لیا اور اس فرقۂ ضالہ کا سارے عیوب اور برائیوں سے آلودہ پیرہن شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اصلاحی سلفی دعوت کو پہنا دیا۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ اہلِ باطل کا ہمیشہ سے یہی وتیرہ رہا ہے۔ انھوں نے ایسا لبادہ ہر اُس دعوت کو پہنایا ہے جو اللہ رب العزت کے نازل کردہ خالص

---

[1] دیکھیے الأعلام: 4/333، 334، مزید تفصیلات کے لیے کتاب کے حاشیے سے مراجع معلوم ہو جائیں گے۔

[2] دیکھیے البیان في أخبار الأندلس والمغرب: 1/197، نیز اس میں عبدالوہاب کا نام عبدالوارث ہے۔

دین کی پکار بلند کرتی ہے اور ابلاغِ حق کی اُس اولین تحریک کی طرف بلاتی ہے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے جاری فرمائی اور جسے آپ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بخیر وخوبی جاری رکھا۔ سلفی دعوت، اصلاحِ عقائد اور اسلام کی اُسی پہلی روشن راہ کی طرف لوٹ آنے کی صدا تھی جس پر امت مسلمہ کے پہلے منتخب لوگ تین سو برس تک چلتے رہے اور یہ ایسی اُجلی اور شفاف حالت تھی کہ اس میں کسی بدعت اور کسی مخفی بات کا کوئی نام ونشان تک نہ تھا، سوائے ان چند باغی فرقوں کے جن کی اسلام سے دُوری معروف تھی اور جن سے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ منہجِ محمدی کے دفاع کے لیے برسرِ پیکار ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔

سامراج اور دعوت سے اس کا مقابلہ

دشمنان اسلام کی عادت ہے کہ اسلام کا براہ راست مقابلہ نہیں کرتے کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ وہ اپنے بودے دلائل کی وجہ سے اس کے مقابلے میں ٹک نہیں پائیں گے، چنانچہ وہ اسلام کی طرف منسوب فرقوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان فرقوں کو اپنے مقاصد تک پہنچنے کا ذریعہ بناتے ہیں اور ان کے نام سے طرح طرح کے شبہات گھڑتے ہیں، چنانچہ صلیبیوں اور اسلام سے عداوت رکھنے والے دیگر عناصر نے اندلس اور ملک شام کے حالات اور یورپ کے ساتھ عثمانی حکومت کی آویزشوں اور دیگر کئی اُمور سے یہ سمجھ لیا کہ ملاوٹوں سے پاک خالص اسلام ہی ان کا دشمن اول ہے جس کے فروغ کے مسلمان خواہش مند ہیں۔ اور وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ خالص اسلام ہی فتح یاب ہوگا، لہٰذا اپنے مذموم مقاصد کے لیے اس کی صورت مسخ کرنا، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا، اسلامی ماحول میں فتنے جگانا اور بے اطمینانی پیدا کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ اولاً انگریزوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سلفی دعوت کی گونج اپنے ایک بہت بڑے نوآبادیاتی خطے میں اس وقت محسوس کی جب اہل ہند نے داعیٔ اسلام سید احمد بریلوی اور ان کے پیروکاروں کی دعوتِ حق قبول کی۔ اسی طرح دوسری تحریکوں، جیسے: فرائضی تحریک اور ناصر علی تیتو میر کی تحریک [1] وغیرہ میں بھی دعوت کے آثار نمایاں ہوئے۔ یہ بات محتاجِ وضاحت

---

[1] دیکھیے انتشار دعوۃ الشیخ محمد بن عبدالوھاب خارج الجزیرۃ العربیۃ تالیف محمد کمال جمعۃ، ص: 63-87. اور مجلۃ الدرعیہ جلد اول، شمارہ تین اور چار میں شائع شدہ میرا مقالہ ''شاہ عبدالعزیز سے ◄◄

نہیں کہ انگریز اپنی نو آبادیات اور ان کے قیمتی وسائل پر بڑا فخر محسوس کرتے تھے۔

ان دعوتوں نے اس کا فر قادیانی تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جسے انگریزوں نے اسلامی شکل وصورت میں پیش کیا تھا تا کہ یہ ان کے مقاصد پورے کرے اور اس میں ایسے لوگ شامل ہوں جو محض اسلام کے نام ہی سے واقف ہوں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سے، جو دین اسلام میں ایک نئی بیداری کی نمائندگی کرتی ہے اور اسلام کو اس کے اصل سرچشمے ''کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ'' سے سمجھنے کی دعوت ہے، انگریزوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ وہ اس کے خاتمے کی سازشیں کرنے لگے۔ انھوں نے دعوت حق کا چراغ گل کرنے کی بڑی مذموم کوششیں کیں اور پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ برٹش آرمی کی سینتالیسویں بٹالین کے کمانڈر اور ہندوستان میں برطانوی نمائندے ''سیڈلیر'' کے سفرنامے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس نے ہندوستان سے ریاض تک بڑا کٹھن سفر کیا اور درعیہ کے ان کھنڈروں کا معاینہ کیا جنھیں ابراہیم پاشا نے انگریزوں کی تیار کردہ پلاننگ کے تحت مسمار کیا تھا، سیڈلیر کی غایتِ سفر یہ تھی کہ جو حکومت اسلامیہ جزیرہ نمائے عرب میں مسلمانوں کو بیدار کرنے میں سرگرم عمل ہے، اسے توڑنے اور سلفی دعوت کے مرکز کے خاتمے کا اسے بذات خود اطمینان ہو جائے کیونکہ اس دعوت نے انگریز حکومت کے کان میں اُس کے مفادات کے لیے خطرے کی گھنٹیاں بجا دی تھیں۔ سیڈلیر کا یہ سفر ایک بڑے قافلے کے ساتھ ہوا جس میں اکثر ترکی کے لوگ شامل تھے، اس سفر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سلفی دعوت کے خاتمے سے ان لوگوں کو کتنی دلچسپی اور ان کا آپس میں کس قدر گہرا تعاون تھا جو مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے اسلامی بیداری کی علامت بن گئی تھی۔

◄◄ ہندوستانی مسلمانوں کا تعلق اور مجلّہ ''الفیصل'' شمارہ رمضان 1419ھ میں شائع شدہ میرا مقالہ ''شاہ عبدالعزیز سے ہندوستانی اہل حدیثوں کے تعلقات'' مزید برآں ڈاکٹر صالح بن عبداللہ العبود کی کتاب ''عقیدة محمد بن عبدالوهاب السلفية، شائع کردہ مدینہ یونیورسٹی۔

سیڈلیر کے اس سفر نے اسلام کے خلاف انگریزوں کے اس بغض و عداوت کو بھی نمایاں کر دیا جو کلیسائی تبلیغ کا پروردہ اور مستشرقین کے خیالات اور ان کی سازشوں کا تربیت یافتہ ہوتا ہے۔ سیڈلیر درعیہ سے تشفی کر کے 13 اگست 1819ء کو واپس ہوا۔[1] اور مدینہ منورہ کے قریب ''آبار علی'' میں ابراہیم پاشا سے ملنے گیا تاکہ اُسے اس فتح یابی پر مبارکباد کے ساتھ ساتھ ایسٹ انڈیا سرکار برطانوی حکومت[2] کے تحفے بھی پیش کرے۔ یہ مقصد سفر کا صرف ایک پہلو تھا۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ برٹش حکومت کو اس دعوت حقہ کی قیادت کرنے والوں کے خاتمے اور دعوتی ملک کے مرکز کو نیست و نابود کرنے کے نتیجے پر اطمینان ہو جائے۔ یہ 1233ھ کا واقعہ ہے جبکہ دعوت کے آثار اسلامی ملکوں میں جہاں بھی انگریزوں کے قدم پہنچے تھے، وہاں تک پھیل چکے تھے۔ سیڈلیر شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے خاتمے پر سکون و اطمینان کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے:

''سقوط درعیہ کے ساتھ وہاں سے عبداللہ کے نکلنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہابیوں کی جڑیں ختم ہو گئیں، نجد میں ملنے والے ہر دیہی شخص سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ سنی ہیں اور فرض نماز کی پابندی لمبے سفر اور شدید ترین حالات میں بھی کرتے ہیں۔[3] پھر وہ ایک ہی ملک کے اندر تفریق ڈالنے کی غرض سے کہتا ہے: جب وہابی دعوت طاقتور تھی اور دیہاتیوں کے لیے لوٹ مار کرنا آسان تھا، اس وقت یقیناً وہ لوگ وہابیت پر بدرجہ مجبوری قائم رہے۔[4]

سعودی حکومت 1158ھ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے اشتراک سے قائم ہوگئی۔ اس حکومت کا نصب العین دعوت الی اللہ تھا، یہ حکومت اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتی تھی۔ چور کا ہاتھ کاٹتی تھی۔ اس کی برکت سے راستے محفوظ ہو گئے۔ اس حکومت نے سب سے پہلے لوٹ مار، لوگوں پر ظلم و زیادتی اور ان کے مال پر دست درازی کرنے والوں سے جنگ کی۔

---

[1] دیکھیے رحلة عبر الجزيرة العربية، ترجمہ انس رفاعی، تحقیق سعود بن غانم العجمی، ص :85-87 و96-99.

[2] مرجع سابق، ص:105-110 157-159۔ [3] مرجع سابق، ص:149. [4] مرجع سابق، ص:150.

سیڈلیر کے متذکرہ بالا ریمارکس اور اس کے دیگر بیانات میں بڑا واضح تضاد ہے۔ اُس کا اصل مقصد حقیقت کو مسخ کرنا اور دی گئی معلومات کے ذریعے لوگوں کو دھوکا دینا ہے جس کے دلائل خود اس کی کتاب میں موجود ہیں۔ اس نے خلیج اور بحرِ عرب میں قواسمہ کی بحری طاقت کے بارے میں صورتِ احوال لکھی ہے اور بتایا ہے کہ وہ لوگ انڈیا میں بمبئی تک پہنچ گئے اور ایسٹ انڈیا سرکار کی کئی کشتیوں اور انگریزی جنگی جہازوں پر حملے کیے۔ قواسمہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے سلفی دعوت کی حمایت کی، وہ سلفیوں کی پشت پناہی کرتے تھے کیونکہ سلفی دعوت کے اصول فرنگی حکومت سے برسرِ پیکار ہونے کا ولولہ عطا کرتے تھے کہ فرنگی کافر ہیں، انھیں دیارِ اسلام میں حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں، نہ مسلمانوں پر کافر کی حکومت جائز ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے لوگوں پر خود حکومت کریں تاکہ اپنے ملک میں اللہ کی شریعت کے مطابق نظامِ حکومت چلائیں۔

سیڈلیر نے اپنی اس کتاب میں زیادہ تر گفتگو اسی موضوع پر کی ہے جس نے برطانیہ کو گھلا دیا، چنانچہ ابراہیم پاشا سے بات کی گئی اور اس کے نام انگریزوں کا قواسمہ کے خلاف باہمی معاہدے کی درخواست پر مشتمل خط لے لیا گیا۔ اسی طرح جزیرہ نمائے عرب کے مشرقی علاقے میں سلفی دعوت کی تائید کرنے والوں کے مقابلے کے لیے برطانیہ کا کردار بیان کیا ہے کیونکہ اس دعوت نے لوگوں کا حوصلہ بلند کیا، ان کے خیالات کی بندشیں کھولیں اور انھیں گہری نیند سے بیدار کیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سیڈلیر کی زہر افشانیاں کئی مواقع پر ظاہر ہوئی ہیں، مثلاً:

① اُس کا اہل یمن اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے مابین دشمنی پھیلانا اور یہ کہنا کہ خلیل پاشا کے قیام کے دوران آخری یمنی وہابی سردار کو شکست ہوئی۔ یہ سردار محمود بن محمد ہیں جنھیں بیڑیاں ڈال کر ''جبک'' لایا گیا اور وہاں سے بذریعہ جہاز مصر بھیجا گیا...... یمن کے بارے میں

بحث کے آخر تک۔ [1]

اُس نے اس طرح کی ہرزہ سرائیاں دیگر مقامات پر بھی کی ہیں۔ اس طرح کی شرانگیزیوں سے اُس کا مقصد ایک امت کے افراد کے مابین تفرقہ ڈالنا ہے جیسا کہ اس نے عمان اور جزیرہ نمائے عرب کے لوگوں کے متعلق ایسی بات کہی ہے جو تفریق کا باعث بنتی ہے جبکہ اسلام کی قوت جزیرے کے سارے لوگوں کو باہم ملاتی ہے اور شریعت کے دونوں مصادر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اُن کی شیرازہ بندی کرتے ہیں۔ [2]

② وہ دینی تغافل کو تمدنی ترقی اور شعائر اسلام پر پابندی کو ضروریات نفس کے منافی قرار دیتا ہے۔ وہ نجد کے دیہاتیوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: وہ اپنی عبادتوں کے بڑے پابند ہیں، سفر میں بھی فرض نمازوں میں کسی نماز سے بے پروائی نہیں برتتے، چاہے کتنا ہی لمبا سفر ہو اور غربت و محرومی کے کیسے ہی صبر آزما حالات ہوں، وہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے نزدیک ان دیہاتیوں کا اُن ترکوں کے ساتھ موازنہ کرنے سے عجیب تضاد ظاہر ہوتا ہے جو روحانی ثقافت سے زیادہ متصف ہوتے ہیں لیکن دین یا نمازوں کو اپنی راحت اور اپنے اطمینان وسکون سے کبھی متصادم نہیں ہونے دیتے۔ [3]

③ وہ اہل مدینہ کا وقار گرانے کی کوشش کرتا ہے اور ان کو بہت سی بُری عادتوں کے علاوہ بھکاری اور لالچی ٹھہراتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ تکبر اور گھمنڈ اپنا اعتقادی حق سمجھتے ہیں اور حاجیوں کے صدقات پر جیتے ہیں، وہ اس جیسی دوسری صفات بھی جو صلیبی اصولوں کی غمازی کرتی ہیں، اہلِ مدینہ کے سر منڈھتا ہے۔ [4]

---

[1] دیکھیے رحلة عبر الجزيرة العربية، ص:148، 153.

[2] دیکھیے رحلة عبر الجزيرة العربية، ص:108.

[3] دیکھیے رحلة عبر الجزيرة العربية، ص:149.

[4] دیکھیے رحلة عبر الجزيرة العربية، ص:116-118.

④ اس سے زیادہ عجیب بات وہ ہے جو سیڈلیر نے ابراہیم پاشا سے منسوب کی ہے۔ وہ کہتا ہے: (الف) میں نے ابراہیم پاشا کے ساتھ انگریزی طریقے پر کھانا تناول کیا، اپنے دورے کے بارے میں اس سے گفتگو کی، رسول اللہ ﷺ پر سلام پڑھنے کے لیے مدینہ جانے سے پہلے اُسے برطانوی تحفے اور پیغامات دیے اور چائے، سگریٹ، نتھنوں میں لگانے والی مہک دار نسوار، تمباکو نوشی کا پائپ اور ہیروں سے مرصع طشت میں کافی کے کپ پیش کیے۔ [1]

(ب) ابراہیم پاشا محمد علی کا لے پالک بیٹا تھا۔ وہ جوان ہوا تو ایک سال یرغمالی بن کر اس نے ایک سال استنبول میں گزارا۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم پاشا اپنے والدین کی شادی کے چند ہی مہینے بعد پیدا ہو گیا تھا۔ وہ شراب کا رسیا اور اپنے خادموں کے ساتھ گاف کھیلنے کا عادی تھا۔

(ج) دوسری جگہ وہ کہتا ہے: ابراہیم پاشا صرف بعض غلاموں کا نگران تھا۔ اُس نے محمد ﷺ کی سرزمین مقدس میں داخلے کے وقت لہو ولعب اور نشہ آور چیزوں سے کنارہ کشی کا پختہ ارادہ کیا، اس طرح کی جتنی نشہ آور چیزیں اس کے پاس اسٹاک تھیں، انھیں وہ قاہرہ سے لایا تھا، مدینہ جانے سے پہلے اُس نے ان سب کو ضائع کر دیا۔ [2]

فرانسیسیوں کا بھی ایک کردار ہے۔ انھوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سے شمالی افریقہ کی دلچسپی اور اس کی طرف ان کی توجہ کو شدت سے محسوس کیا، جیسے:

① سیدی محمد بن عبداللہ علوی شاہ مراکش کو سلفی دعوت سے گہری رغبت ہو گئی اور وہ بدعات و مکروہات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، وہ مختلف صوفیانہ طریقوں کا بھی مقابلہ کرتے تھے اور اجتہاد و سنت کی طرف رجوع کی دعوت دیتے تھے۔ [3] ساتھ ہی وہ اور علوی حکومت، جب سے علوی حکومت قائم ہوئی، نصاریٰ سے جنگ کے شدت سے خواہش مند رہتے تھے۔

---

[1] دیکھیے اس کا سفر نامہ، ص: 105، 106 و 109، 110.

[2] نفس مرجع، ص: 137-143.

[3] دیکھیے انتشار دعوۃ الشیخ محمد بن عبدالوھاب، ص: 235، تالیف محمد جمعہ کمال، طبع: الدارۃ.

سلفی دعوت سے ان لوگوں کی ہمدردی ایک زبردست طاقت تھی جو فرانسیسیوں کے اقتدار تک باقی رہی۔

یہ وہی حکمران ہیں جن کی فرانسیسی مؤرخ ''چارلی جولین'' نے درجِ ذیل الفاظ میں تعریف کی ہے۔ وہ کہتا ہے: سیدی محمد بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں۔ انھیں جزیرہ نمائے عرب میں تحریک وہابیت کے پھیلنے اور خاندان آل سعود کی طرف سے اس کی حمایت کا علم بذریعہ حجاج ہوا، اِس تحریک کی تفاصیل کو انھوں نے بہ نظرِ استحسان دیکھا، اسی کے زیر اثر ان کا یہ قول مشہور ہو گیا کہ ''میں مسلکاً مالکی اور عقیدۃً وہابی ہوں۔'' ان کی دینی غیرت نے انھیں عقیدے میں سہولت پسندی والی اور اشعری مذہب کو جائز قرار دینے والی کتابیں ضائع کرنے اور بعض خانقاہیں مسمار کرنے پر مجبور کر دیا۔''[1]

② اسی طرح 1226ھ میں مراکشیوں کی ایک جماعت نے مولائی ابراہیم بن مولائی شاہ سلیمان شاہِ مراکش کی معیت میں حج کیا۔ ''الاستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصى'' کے مؤلف نے ان حجاج سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں نے ابن سعود کے فکر و عمل میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو شریعت کے خلاف ہو بلکہ انھیں اور ان کے متبعین کو استقامت، شعائر اسلام، یعنی نماز، روزہ، طہارت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور حرمین کو شر و فساد سے پاک رکھنے کا پابند دیکھا۔[2]

③ وہ مکتوب جو امام سعود بن عبدالعزیز نے اہل تیونس کے نام بھیجا۔ اس میں حقیقت توحید اور اصول دین کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ طویل خط ہے جو تین صفحات میں چھپ چکا ہے۔ یہ خط جرمنی کے ایک اخبار میں، مراکش میں تحریک وہابیت سے متعلق جرمنی زبان میں ایک مستشرق

---

[1] تاريخ أفريقيا الشمالية :311/2.

[2] دیکھیے یہ تاریخی کتاب، 1226ھ کے واقعات۔

کے لمبے مضمون کے ذیل میں شائع ہوا ہے۔ اصل خط عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔[1]

④ شاہ سلیمان بن محمد بن عبداللہ سے فاس میں 1226ھ میں بیعت کی گئی۔ یہ امام عبداللہ بن سعود کے ہم عصر تھے۔ ان کے والد امام سعود بن عبدالعزیز جو 1217ھ بمطابق 1802ء میں مکہ آئے۔ شاہ سلیمان نے ابن سعود اور جس چیز کی وہ دعوت دیتے تھے، اس کی تحقیق کرنی چاہی تو اپنے صاحبزادے مولی ابراہیم کو علماء و اعیانِ مراکش کی ایک جماعت کے ساتھ ایک خط دے کر بھیجا۔ یہ لوگ حجاز پہنچے، ارکان حج ادا کیے، روضہ شریف کی زیارت کی۔ یہ سارا عمل امن و امان اور خیر و خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ اس سلسلے میں شیخ احمد ناصری مؤلف کتاب "الاستقصاء في تاريخ المغرب الأقصى" نے صفحہ:119 سے صفحہ:123 تک اہم تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس سال مولائی ابراہیم کے ساتھ حج کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت نے بیان کیا: ان لوگوں نے اس بادشاہ، یعنی ابن سعود میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو کسی جانی پہچانی شرعی چیز کے خلاف ہو بلکہ ان میں اور ان کے متبعین میں حد درجہ استقامت شعائر اسلام، یعنی نماز، روزہ، طہارت، حرام اور برے کاموں سے باز رہنے کی تلقین پائی جاتی ہے اور وہ حرمین شریفین کو طرح طرح کی گندگیوں اور اُس شر و فساد سے پاک رکھتے ہیں جو پہلے یہاں بلامؤاخذہ برپا رہتا تھا اور جب وہ جناب مولائی ابراہیم سے ملے تو انھوں نے ان کے سامنے شریف آل بیت کے لیے واجبی تعظیم کا اظہار کیا اور ان کے ساتھ اپنے رفقاء کے ایک فرد کی طرح بیٹھے، ان سے گفتگو کی ذمے داری قاضی فقیہ ابو اسحاق ابراہیم زرعی نے لی۔ وفد سے ابن سعود نے جو گفتگو کی اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

---

[1] دیکھیے أخبار، إسلاميكا Islamika یہ جرمنی کا ایک اخبار ہے۔ کاتب نے دعوت کو مسخ کرنے کے لیے خط میں وارد شدہ مضمون کے برخلاف حاشیہ آرائی کی ہے۔ اور یہ چیز مستشرقین سے کوئی بعید بات نہیں ہے، دیکھیے پہلا شمارہ، ساتویں جلد، 1935ء، ص:72 اور اس کے بعد۔

امام ابن سعود نے وفد سے پوچھا: لوگ کہتے ہیں: ہم سنت محمدیہ کی مخالفت کرتے ہیں، اب آپ ہی بتائیے کہ آپ لوگوں نے ہمیں کسی امر میں کون سی سنت کی خلاف ورزی کرتے دیکھا ہے؟ اور ہم سے ملاقات سے پہلے آپ لوگوں نے ہمارے متعلق کیا سنا؟ قاضی نے جواب دیا: ہمیں آپ لوگوں کے متعلق خبر پہنچی ہے کہ آپ لوگ استواء ذاتی کے قائل ہیں اور اس سے مستوی کا جسم ہونا لازم آتا ہے۔ ابن سعود نے کہا: معاذ اللہ! ہم تو بعینہ اسی طرح کہتے ہیں جس طرح امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: استواء معلوم ہے، کیفیت نامعلوم، اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے تو کیا اس میں سنت کی کوئی خلاف ورزی ہے؟ وفد کے لوگوں نے کہا: بالکل نہیں، ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں۔

پھر ان سے قاضی زرعی نے پوچھا: ہمیں یہ بھی خبر پہنچی ہے کہ آپ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے برادران انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں ان کی زندگی کے قائل نہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ جب ابن سعود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا تو ان پر کپکپی طاری ہوگئی۔ انھوں نے بآواز بلند رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا اور کہا: معاذ اللہ! ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں شہداء کی زندگی سے ارفع زندگی کے ساتھ حیات ہیں۔

اس موضوع کے اختتام پر مؤلف نے کہا: میں کہتا ہوں: یقیناً مولائی شاہ سلیمان رحمہ اللہ کا اس بارے میں یہی خیال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنا مشہور رسالہ لکھا جس میں حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے ہوئے ضرورت وقت کو بیان کیا ہے، سنت ترک کرنے، بدعت میں غلو کرنے پر تنبیہ کی ہے، اولیاء کی زیارت کے آداب بیان کیے ہیں، عوام کو مبالغہ آمیزی سے ڈرایا ہے اور مسلمانوں کو نصیحت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ انھیں جزائے خیر سے نوازے![1]

اسلامک انسائیکلوپیڈیا سے استاذ محمد کمال جمعہ نقل کرتے ہیں: مولائی سلیمان 1810ء کے

[1] دیکھیے انتشار دعوۃ الشیخ محمد بن عبدالوھاب، ص:235-237، نیز دیکھیے الاستقصاء: 8/120-122.

بعد اس سلفی دعوت سے بہت متاثر ہوئے جسے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ لے کر اُٹھے، یہی وجہ ہے کہ "مربوطیہ" اس کے خلاف سخت رویہ اختیار کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ مراکش میں صوفیوں کو "مربوطیہ" کہا جاتا ہے۔[1]

⑤ ڈاکٹر عباس جراری نے ایک لیکچر کے ضمن میں، جو انھوں نے ریاض یونیورسٹی میں 1399ھ میں دیا تھا، کہا: مراکش میں یہ سلفی لہر دوبارہ چودھویں صدی ہجری کے شروع میں ظاہر ہوئی جس وقت شاہ حسن اول نے 1300ھ میں ایک پیغام مراکشی قوم کے نام بھیجا۔[2]

⑥ احمد بن حجر نے الجزائر کی سنوسی تحریک کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس تحریک کے بانی محمد بن علی سنوسی تھے جو مکہ مکرمہ پر آل سعود کے قبضے کے وقت وہاں طالب علم تھے۔ اس وقت وہ اس دعوت سے بہت متاثر ہوئے انھوں نے الجزائر میں اپنی تحریک کی ابتدا انھی تعلیمات کی روشنی میں کی جس کی قندیل محمد بن عبدالوہاب کی تحریک نے جزیرہ نمائے عرب میں روشن کی تھی۔[3]

مصر میں عبدالرحمٰن جبرتی متوفی 1237ھ کی تاریخ "عجائب الآثار في التراجم و الأخبار" کا مطالعہ کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ وہ فرماتے ہیں: وہابیوں کی خبر پر لوگوں میں بڑا واویلا مچا اور بڑا اختلاف ہوا۔ کچھ لوگ انھیں خارجی کہتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے اس لیے خلاف ہیں کہ ان کا دامن صاف ہے۔

پھر جبرتی نے امام سعود کے ایک خط کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے مراکشی قافلے کے امیر کو بھیجا تھا، اس میں انھوں نے اپنے عقیدے اور دعوت کی وضاحت کی ہے۔ دینی مسائل اجمالی طور پر بیان کیے ہیں۔ شفاعت کا بیان، قبروں کی تعظیم کا فتنہ، مُردوں کے لیے نذر نیاز کا فتنہ،

---

[1] انتشار دعوة الشيخ محمدبن عبدالوهاب، ص: 237.

[2] دیکھیے مرجع سابق، ص: 238,237، اس میں کہیں زیادہ تفصیل ہے اور دیکھیے الاستقصاء لأخبار المغرب الأقصى: 8/119-123.

[3] دیکھیے محمد بن عبدالوهاب، ص: 107,106.

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اشد ضرورت اور اللہ تعالیٰ کے لیے وسیلوں کی تلاش کی بدعت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد جبرتی نے کہا ہے: اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہی ہے تو ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے اور یہی باب توحید کا خلاصہ ہے۔ گمراہوں اور متعصبوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔

ابن قیم نے اپنی کتاب "إغاثة اللهفان"، حافظ مقریزی نے "تجريد التوحيد" اور امام الوسی نے "شرح الكبرىٰ" اور اسی طرح کی کئی اور کتابوں میں سب نے اسی خالص توحید کی حقیقت واضح کی ہے جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کی بنیاد ہے۔[1]

دوسری طرف جبرتی نے شمالی افریقہ کے مسلم ممالک پر انگریزوں کی للچائی ہوئی نظروں کا تذکرہ کیا ہے اور الجزائر والوں سے انگریزوں کے مقابلے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ یہ لوگ انگریزوں کے قافلوں پر حملہ کر کے ان سے غنائم حاصل کرتے اور فرنگیوں کو گرفتار کر لیتے، اس طرح ان کے پاس بہت سے انگریز قیدی جمع ہو گئے۔

انگریز اپنے جہاز لے کر آئے، ان کے پاس عثمانی حکمران کا فرمان بھی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو رہا کرا لیں۔ الجزائر والوں نے انھیں ایک ہزار سے زیادہ قیدی دیے۔ انگریزوں نے ہر قیدی کے عوض 150 فرانسیسی فرانک ادا کیے اور لوٹ گئے مگر کچھ عرصے بعد وہ لوگ پھر واپس آئے۔ اب ان کے ہاتھ میں ایک دوسرا فرمان تھا اور وہ باقی قیدیوں کا مطالبہ کر رہے تھے۔ الجزائر کے حاکم نے انکار کیا لیکن یہ لوگ اپنے قیدی رہا کرانے پر اصرار کرتے رہے، اس دوران ان کے کئی جنگی جہاز پہنچ گئے، پھر ان فرنگیوں نے اپنے جدید طریقے سے جنگ کے شعلے بھڑکائے اور الجزائر والوں کے جہاز جلا دیے۔

شاہ مراکش مولائی سلیمان نے الجزائر والوں کی مدد کی اور جو جہاز تباہ ہوئے تھے، ان کے

---

[1] دیکھیے عجائب الآثار في التراجم و الأخبار:3/269-282.

بدلے دیگر جہاز بھیج دیے۔ [1]

اٹلی والے: لیبیا میں جو اصلاحی دعوت محمد بن علی سنوسی (پیدائش الجزائر 1202ھ) لے کر اٹھے، اس دعوت کا مقصد اسلام کو جلا بخشنا، اس کی صحیح تعلیمات کو از سر نو تازہ کرنا اور لوگوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دینا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ان کا مقصد اطالوی استعمار سے برسر پیکار ہونا بھی تھا جو اس خطے کے مسلمانوں کے وسائل لوٹنے اور ان میں تفرقہ ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ [2]

ہالینڈ کے نصرانیوں کے لیے یہ امر باعث تشویش تھا کہ ان کے مقبوضہ اسلامی علاقوں کے مسلمان باشندے خواب غفلت سے بیدار ہو رہے ہیں۔ وہ واضح طور پر دیکھ رہے تھے کہ انڈونیشیا کے جزائر سماٹرا، جاوہ اور دوسری طرف سولو (فلپائن) کے مسلمان صحیح اسلامی عقیدے کو اپنا کر اپنے ایمان کی تجدید کر رہے ہیں۔ ان علاقوں میں صحیح عقیدے کی راہ ان حجاج کرام نے دکھائی جو اسلامی معاشرے کو کفر و شرک کی غلاظتوں سے پاک کرنے اور اسلامی شعائر کو بدعت کے شائبوں سے بھی نجات دلانے کے جذبات سے معمور تھے۔ علاقے کے بیشتر لوگوں نے جو حج کے لیے جاتے رہے، شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تجدیدی و اصلاحی تحریک کا بغور مطالعہ کیا۔ جب انھیں یہ اطمینان ہو گیا کہ اصلاحِ عقیدہ کا جو طریقہ شیخ رحمہ اللہ نے اپنایا ہے، وہ بالکل سیدھا اور صاف ہے، کتاب و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہے، ان کی دعوت پاکیزہ اور مخلصانہ ہے، ان کے نظریات برحق ہیں اور اس دعوت سے ان کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں تو انھوں نے اس تحریک کو سینے سے لگا لیا اور اپنی زندگی اسی کی آبیاری پر نثار کر دی۔

روشنی بہر حال روشنی ہے اور تاریکی پر غالب آ کر رہتی ہے۔ جب لوگ پوری طرح مطمئن

---

[1] دیکھیے عجائب الآثار: 277,276/4، اس میں ہمارے متذکرہ بیان سے کہیں زیادہ تفصیل موجود ہے۔

[2] دیکھیے تاریخ أفریقیا الشمالیة: 220/2.

ہو گئے کہ یہ اصلاحی دعوت پوری طرح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ ہے اور اس سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کوئی ذاتی غرض یا مفاد وابستہ نہیں تو اسے لوگوں نے پوری طرح شرحِ صدر اور اطمینانِ قلب کے ساتھ قبول کیا اور اسے اپنے اپنے وطن پہنچا دیا جہاں اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن ہوئے اور بہت سی تحریکیں وجود میں آئیں، جیسے:

جکارتہ میں ''جمعیت محمدیہ'' قائم ہوئی۔ اس تحریک نے دعوت کی ابتدا ہی ان آمیزشوں اور خرافات کو دور کرتے ہوئے کی جو اسلام کے نام پر اسلامی تعلیمات میں شامل کر دی گئی تھیں۔ اس طرح یہ تحریک اسلامی جماعتوں کو اپنانے والے یا اسلام مخالف خیال کیے جانے والے خرافات پسندوں اور اسلامی معاشرے میں بدعات کو فروغ دینے والے عناصر اور نوآباد کار سامراجیوں کے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں چٹان بن کر کھڑی ہو گئی۔ سامراجی نوآبادکار سامراجیت کے اصول Divide and rule ''تفریق ڈالو اور حکومت کرو'' کے تحت فرقہ پرستی کو ہوا دیتے اور فتنے بھڑکانے کا فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ معاملہ 1803ء سے شروع ہوا، جس وقت ہالینڈ والوں کے خلاف تحریک شروع ہوئی اور 16 سال جاری رہی۔ اس پوری مدت کے دوران سامراجی طاقتیں سلفی موحدین، یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کا اثر قبول کرنے والوں کو کچلتی رہیں۔[1]

اس کے علاوہ کئی اسلامی ملکوں میں اُن حجاج کے ذریعے سے دعوت کے اثرات منتقل ہوئے جنھوں نے دعوت کو اس لیے پسند کیا کہ اس میں اسلام کو طرح طرح کی آمیزشوں سے پاک کرنے اور ملک پر مسلّط سامراج سے نجات دلانے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ سامراجی طاقتوں کا حربہ یہی ہے کہ وہ مقبوضہ اسلامی ملکوں کے باشندوں کا عقیدہ خراب کرنے کے لیے طرح طرح کی افواہیں پھیلاتی ہیں اور فساد پیدا کرتی ہیں اور ان کے عیسائی مبلغین مسلمانوں کو

[1] دیکھیے احمد بن حجر رحمہ اللہ کی کتاب الشیخ محمد بن عبدالوهاب، ص: 106.

عیسائیت کی طرف راغب کرنے اور اس صاف شفاف دعوت سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو سلیم الفطرت اور روشن ضمیر لوگوں کو اپیل کرتی ہے۔ اسلامی ملکوں کے بہت سے حجاج کرام اچھی طرح سمجھ گئے کہ سلفی اصلاحی تحریک دین اسلام میں طرح طرح کی ملاوٹوں کے خاتمے کے علاوہ مسلمانوں کو بگاڑنے والے سامراجی قوتوں کے سارے حربے بے کار کرنے کی استعداد سے مالا مال ہے، اس لیے سوڈان، مصر، شام، یمن، افغانستان، جزائر شرق الہند، نائجیریا، ہوسا اور بورنو قبائل اور بلادِ تکرور وغیرہ ہر جگہ کے بہت سے لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ یہ بات ہر اس شخص نے بیان کی ہے جس نے شیخ کی زندگی اور اسلامی ممالک میں اس کے اثر کا مطالعہ کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ کی دعوتی زندگی نے حوصلے بلند کیے، لوگوں کو خواب غفلت سے جگایا، فکری بیداری اور صحیح دین کے ذریعے امام مالک رحمہ اللہ کے لفظوں میں: اسلامی معاشرے کی اصلاح کا شوق پیدا کر دیا، جس کی وجہ سے سامراجیوں کے قدم لڑکھڑانے لگے اور اس دعوت کے اصولوں کو اپنانے والوں کے خلاف ان کے جذبات حرکت میں آ گئے۔

خلافتِ عثمانیہ اور سلفی دعوتِ حق

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سے شام، مراکش اور ترکی کے مسلم مفکرین کے ایک حلقے نے جو گہری دلچسپی لی اور اس پر بعض یورپی، ترک اور افریقی جماعتوں نے جو تأثر دیا، اس پر باب عالی اور اس سے وابستہ اہل غرض اور جاہ پرستوں کا بُغض وعناد بھڑک اٹھا۔ انھوں نے عثمانیوں سے اصل حقائق چھپائے اور موسم حج میں بدوؤں کے بعض تصرفات کو بہانہ بنا کر لوگوں کو نفرت دلانے کے لیے اس دعوت حق کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کیے، دعوت کے ذمہ داروں کے خلاف بغض اور کینے کے جذبات بھڑکائے اور ایسی باتیں گھڑیں جو بے بنیاد تھیں۔

شیخ محمد کے خطوط اور ان کے تلامذہ کے جوابات سے مثبت پہلوا جاگر ہوتے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے از خود شیخ سے بذریعہ خطوط حقیقتِ دعوت کی تحقیق کی اور شیخ رحمہ اللہ نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔ ان خطوط سے لوگوں کے اس ذوق کا پتہ چلتا ہے جو اصل حقائق جاننے کے لیے بے تاب تھا، مثلاً:

① شیخ محمد رحمہ اللہ کا شیخ فاضل آل مزید رئیسِ بادیہ شام کے نام خط جس کا مضمون یہ ہے:
مراسلت کا سبب یہ ہے کہ راشد بن عربان نے ہمیں آپ کے بارے میں دل خوش کر دینے والی بڑی اچھی بات کہی ہے۔ انھوں نے بتلایا کہ آپ مجھ سے خط کتابت کے خواہش مند ہیں کیونکہ دشمنوں نے آپ کو ہمارے بارے میں جھوٹی باتیں بتائی ہیں اور طرح طرح کی بہتان تراشیاں کی ہیں لیکن آپ جیسے لوگوں کا فرض ہے کہ کوئی بات بغیر تحقیق قبول نہ کریں۔ پھر

شیخ ان باتوں کی تشریح کرتے ہیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور اس سلسلے میں شریعت الٰہی اور رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق جھوٹی باتوں کو غلط ٹھہراتے اور بہتانوں کا پول کھولتے ہوئے حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں۔ [1]

② عراق کے ایک عالم عبدالرحمٰن سویدی کے نام شیخ محمد رحمہ اللہ کا خط جس کا مضمون درج ذیل ہے: آپ کا مکتوب موصول ہوا۔ دل خوش ہو گیا۔ اللہ آپ کو ائمہ متقین اور سید المرسلین کے دین کے داعیوں میں سے بنائے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میں متبع کتاب و سنت ہوں۔ دین میں کوئی نئی بات ایجاد کرنے والا مبتدع نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ اور میرا مذہب جسے میں نے اختیار کیا ہے، اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جس پر ائمۂ مسلمین چلے، جیسے: ائمۂ اربعہ ہوئے جن کے متبعین قیامت تک رہیں گے۔ ہاں! میں نے لوگوں سے اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کی بات یقیناً کی ہے۔ زندہ یا مردہ بزرگان دین وغیرہ کو پکارنے سے منع کیا ہے۔ اللہ کے لیے کی جانے والی عبادت، جیسے: ذبح و نذر، توکل و سجدے اور ان کے علاوہ دیگر عبادتیں جو صرف اللہ ہی کا حق ہیں جس میں کسی مقرب فرشتے، مبعوث نبی کو بھی شریک نہیں کیا جا سکتا، میں ان سب میں بزرگوں کو شریک کرنے سے منع کرتا ہوں۔ یہی وہ دین ہے جس کی دعوت شروع سے آخر تک سارے انبیاء نے دی ہے اور جس پر اہل سنت والجماعت کے لوگ قائم و دائم ہیں۔ [2]

③ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا وہ خط جو آپ نے مکہ مکرمہ کے بڑے علماء کے نام بھیجا اور اپنی دعوت کے اہم نکات کی وضاحت کی ہے۔ خط کا مضمون یہ ہے: شیخ کہتے ہیں: ہم پر جو مصیبت آئی ہے، اس کی خبر آپ حضرات اور دیگر لوگوں کو پہنچ چکی ہے اور اس کا سبب یہ ہے

---

[1] دیکھیے مکمل خط شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تالیفات: 33,32/5 میں، طبع امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی، اولین ایڈیشن، ریاض۔

[2] مکمل خط دیکھیے شیخ محمد کی تالیفات: 5/36-38 میں طبع امام محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض، نیز الدرر السنیۃ: 1/54-56.

کہ ہمارے علاقے میں بزرگوں کی قبروں پر بنے ہوئے مزارات مسمار کر دیے گئے ہیں۔

جب عام لوگوں پر یہ عمل اس خیال سے گراں گزرا کہ اس میں بزرگوں کی توہین ہے تو ہم نے انھیں ان بزرگوں کو پکارنے سے بھی منع کیا اور اللہ کے لیے عبادت خالص کرنے پر زور دیا۔ قبروں پر بنے ہوئے مزاروں کو ڈھانے کے بعد جب ہم نے یہ مسئلہ چھیڑا تو عوام پر اور بھی زیادہ گراں گزرا۔ اور علم کے دعوے داروں نے مخصوص اسباب کے باعث ان کی پشت پناہی کی۔ یہ اسباب آپ حضرات سے ڈھکے چھپے نہیں۔ ان میں ایک بڑا سبب عوام کی خواہش کی پیروی ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے بارے میں یہ تہمت پھیلائی کہ ہم بزرگوں کو گالی دیتے ہیں اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ انھوں نے یہ معاملہ مشرق و مغرب تک پہنچا دیا اور ہمارے متعلق ایسی باتیں کہیں کہ ایک صاحب عقل انھیں بیان کرتے ہوئے بھی شرماتا ہے۔ میں آپ لوگوں کو اپنے مذہب کی سچی خبر دیتا ہوں۔ جھوٹ نہیں بول سکتا کیونکہ آپ جیسے لوگوں پر جو اپنے مذہب کا خاص و عام میں اظہار کرتے ہیں، جھوٹ نہیں چل سکتا۔

الحمد للہ! ہم متبعین کتاب و سنت ہیں۔ ہم دین میں کسی نئی بات کے موجد نہیں۔ ہم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں۔ دشمنوں نے یہ بہتان باندھا اور پھیلایا ہے کہ میں اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں، ائمہ کی پیروی نہیں کرتا۔ میں اس بہتان سے براءت ظاہر کرتا ہوں۔ اگر آپ لوگوں پر ظاہر ہو کہ قبروں پر بنے مزاروں کو ڈھانے اور بزرگوں کو پکارنے سے روکنا جیسا کہ ہم نے کیا ہے، مذہب سلف کے خلاف ہے تو میں اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر اور آپ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین پر گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اہلِ علم کی پیروی کرنے والا ہوں گا۔ اگر حق بات مجھ سے پوشیدہ رہی اور اس میں مجھ سے کوئی غلطی ہوئی، اُسے آپ لوگ بیان کر دیں۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اسے سر آنکھوں پر رکھوں گا۔ حق کو قبول کرنا باطل پر مصر رہنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔[1]

---

[1] دیکھیے مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب، ص: 40-42.

④ مدینہ منورہ کے ایک عالم کے نام خط میں آپ لکھتے ہیں: آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہو۔ آپ لوگوں کی خیریت معلوم کر کے دل خوش ہوا۔ آپ ہماری خیریت دریافت کرتے ہیں تو اللہ کا شکر ہے۔ حق یہ ہے کہ اُسی کے شکر سے نیکیاں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ آپ نے پوچھا ہے کہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ ہم میں شرائع اسلام، یعنی صلاۃ، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح محرّماتِ اسلام میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ جس کو ہم اچھا سمجھتے ہیں، وہی دوسروں کے نزدیک بھی اچھا ہے۔[1]

اسی طرح کی توضیحات وارشادات شیخ رحمہ اللہ کے دوسرے مکاتیب میں بھی جلوہ آرا ہیں۔ لیکن خلافتِ عثمانیہ اور دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں اس کے ماتحت حکام اپنی نادانی کی وجہ سے اس دعوت سے ڈرنے لگے اور اپنے مصالح کی حفاظت اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر کمزور کرنے کی خاطر انھوں نے سامراجی طاقتوں سے تعاون شروع کر دیا تاکہ وہ اس دعوت کا خاتمہ کر سکیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ارشاداتِ ربانی کی پیروی کر رہی تھی، دلوں کو جوڑ رہی تھی، انھیں تھام رہی تھی اور اختلافات کے اسباب کا خاتمہ کر رہی تھی۔ اس دعوتِ حق کے خلاف ان کے اقدامات کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ اسلام کی تعلیمات سے ناواقف تھے، انھیں اپنے عہدے چھن جانے کا خوف کھا رہا تھا، ذاتی مصلحتوں کو انھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر مقدم کر دیا اور اپنی خواہشات وشہوات کی پیروی میں لگ گئے۔ اس صورت حال سے سامراجی فائدہ اٹھا رہے تھے۔

دوسری طرف مسلمانوں کو ہرگز گوارا نہیں تھا کہ ان کے دین کے مخالف یہ سامراجی ان کے عقائد میں دخل انداز ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے ارادے پہلے ہی واضح ہو جاتے اور صلیبی

[1] مرجع سابق، ص: 44-49.

جنگیں شروع ہو جاتیں۔

اہل مغرب ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے، کچھ بعید نہیں کہ ان کے ساتھ یہودی بھی شامل ہوں، اس لیے کہ اسلام کو زک پہنچانے کے لیے یہودیوں کی سازشیں تو اسی وقت سے شروع ہوگئی تھیں جب اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا یہ حقیقت فوراً محسوس کر لیتا ہے کہ ٹھیک یہی جذبہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبَی اور عبداللہ بن سبا یہودی کی حرکتوں کے پیچھے بھی کارفرما تھا جو اسلام میں داخل ہی اس لیے ہوئے کہ اسلام کو اندر سے خراب کر سکیں اور ایمان والوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت کے بارے میں شبہات پیدا کر دیں۔ اسی لیے عبداللہ بن سبا نے ایک فرقہ بھی قائم کیا جو فرقۂ سبائیت کے نام سے معروف ہے۔

یہی چیز ہمیں مستشرقین کی تحریروں میں بھی ملتی ہے جنھوں نے اس زمانے میں اسلام کی صورت بگاڑنے اور لوگوں کو اس سے نفرت دلانے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کی تاریخ اور اسلامی نظریات میں تحریف اور ملاوٹ کی ہے۔ خاص طور پر اس عمل میں یہودیوں کا ہاتھ بہت تیز ہے۔

ان تمام سامراجی قوتوں اور ان کے کاسہ لیسوں نے تاریخ کی ورق گردانی شروع کی۔ ماضی کے صفحات اُلٹے کہ شاید انھیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو اُن مدعیانِ علم کے کام آ سکے جنھیں سامراجیوں نے اسلامی مراکز میں تعینات کیا تھا تاکہ وہ ان کے پس پردہ اپنی حرکتوں کو چھپا سکیں جو دنیاوی مصلحتوں کی خاطر اپنی آخرت برباد کر رہے تھے اور اس طرح سامراجی مقاصد کی تزئین و آرائش میں مشغول تھے۔ ان سب لوگوں کا ایک ہی مقصد تھا جس کی تکمیل کے لیے وہ کوشاں تھے۔

انھوں نے عوام اور معمولی پڑھے لکھے لوگوں کو جو صحیح تعلیم حاصل نہیں کرتے اور علم کی گہرائی

تک نہیں پہنچتے اور جو اس وقت اسلامی معاشرے کی غالب اکثریت ہیں، اس وہم میں مبتلا کر دیا کہ یہ نئی دعوت جو جزیرہ نمائے عرب سے اٹھی ہے، یہ اسی پہلی دعوت کا تسلسل ہے جو مراکش میں اباضی خوارج فرقے کی دعوت تھی اور یہ دعوت مسلمانوں کے مذہب اور اعتقاد کے خلاف ہے۔

گمراہوں نے اپنی بودی دلیل کامیاب بنانے اور ملمع سازی کے لیے شیخ محمد اور ان کے متبعین کے خلاف ایسی باتیں گھڑیں جن کے غلط اور بے بنیاد ہونے کے بارے میں شیخ رحمہ اللہ نے اپنے کئی رسالوں میں وضاحت کی ہے۔ علمائے مراکش یہ حقیقت اپنے 1226ھ کے مباحثے میں جان چکے تھے جس سال مولائی ابو اسحاق ابراہیم بن مولائی شاہ سلیمان رحمہ اللہ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے اور ان کے ساتھ امام سعود بن عبدالعزیز سے بحث مباحثہ ہوا تھا۔ اور جو باتیں ان کی طرف منسوب کی گئیں، ان کی چھان بین علمائے مراکش کی ایک بڑی جماعت نے کی تھی۔ یہ واقعہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی وفات کے کچھ عرصے بعد کا ہے۔

مراکش کی تاریخی کتابوں میں یہ واقعہ بہ تمام وکمال موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سلفی دعوت ان سارے اتہامات سے بری ہے جو اس کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور علمائے مراکش اس کی سچائی سے مطمئن ہیں حتیٰ کہ امام ابراہیم مذکور نے بھی اس دعوت کو مبنی برحق تسلیم کیا ہے۔[1]

اس دعوت کی مذمت کی صدائے بازگشت، علم و معرفت کے نام پر اقتدار جمانے والوں لیڈری کے آرزومندوں اور نفس پرستوں کے ہاں بھی گونجی۔

پس ایک طرف تو یہ افسوس ناک صورتِ حال رونما ہوئی اور دوسری طرف شیخ محمد کے والد عبدالوہاب کی طرف دعوت کی نسبت کا فریب چل گیا، جب کہ یہ نسبت صریحًا غلط ہے کیونکہ

---

[1] دیکھیے مولیٰ ابو اسحاق ابراہیم بن سلیمان کی سیرت مراکش کی تاریخی کتابوں، مثلاً: الاستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصى: 8/120-125 اور الإعلام بمن حل مراکش وأغمات من الأعلام: 10/68-73.

دعوت تو شیخ محمد دیتے تھے۔ ان کے والد جناب عبدالوہاب نہیں دیتے تھے۔ اگر اہل غرض دعوت کی نسبت شیخ محمد کی طرف کرتے تو پھر اس کا نام ''محمدیہ'' قرار پاتا اور اس سے ان کا مقصد حاصل نہ ہوتا کیونکہ پورے دین اسلام کا نام محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کے باعث ''رسالت محمدیہ'' ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی جانب سے تبلیغ کی۔ عام لوگ ان دونوں کے مابین تفریق نہیں کرتے اس لیے فتنہ گروں نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ جس نام کو عام کرنا مقصود ہے، اس کی آواز بازگشت عوام کے ذہن میں موجود رہے کیونکہ ملمع سازی اور دھوکا دینے کے لیے وہی ان کی بنیاد ہے جو کم پڑھے لکھے لوگوں پر ذہنی پالش کے لیے بیک گراؤنڈ کا کام دیتی ہے۔

یہ بات ابراہیم پاشا کے ان خطوط اور رپورٹوں سے ظاہر ہوئی جو وہ مصر میں محمد علی کو بھیجا کرتا تھا اور بعض عثمانیوں کی تحریروں میں یہ عبارت موجود ہے: اس تاریخ سے وہابیت، خوارج، مارقین من الدین (دین سے نکلے ہوئے بھگوڑے) [1] مرتد، بے دین، گمراہ اور ملحد جیسے القاب وخطابات کا شیخ محمد کی دعوت کے پیروکاروں اور سعودی حکومت پر اطلاق شروع ہوا۔

علی العموم یہ سب لوگ دعوتِ حق کو مشتبہ بنانے کے لیے ایک رخ پر متفق ہو گئے۔ لوگ فطری طور پر ہر نئی چیز سے ڈرتے ہیں اور جس ڈگر پر چل رہے ہوں، اس کے مخالف راستے سے بدکتے اور انکار کرتے ہیں۔ اس کی بہترین دلیلیں قرآن کریم اور سیرت نبوی میں مذکور

---

[1] اس طرح کی دستاویزات کے لیے دیکھیے محمد علی کا مکتوب جس میں وہ ترکوں سے ابن سعود سے جنگ کرنے پر معذرت خواہ ہے، صفحہ:353-355 اور یوسف کنج کا خط صفحہ:362-370 جو آل سعود کی جنگ کے ساتھ خاص ہے، نیز یوسف ضیا پاشا کو حجاز میں لشکر کا سپہ سالار مقرر کرنے کا امر، صفحہ:382,381 اور ضمیمہ نمبر 7، صفحہ:384,383، نیز دیکھیے جنگ شقراء اور اس کی فتح کی خوشخبری پر مشتمل ابراہیم پاشا کا مکتوب، صفحہ: 422-444، اس کے علاوہ دیگر خطوط۔ اس سلسلے میں مزید دیکھیے ڈاکٹر عبدالرحیم عبدالرحمٰن کی کتاب، الدولة السعودية، صفحہ:349-440، طبع جامعة الدول العربية.

مخالفین اسلام کے بہت سارے واقعات میں واضح طور پر ملتی ہیں جبکہ محمد ﷺ اپنے رب العزت کی جانب سے داعی اور نجات دہندہ بن کر دینِ حق لے کر آئے۔

دور حاضر میں ایک زندہ دلیل رونما ہوئی، مسلمان نوجوانوں نے اپنے دین سے دلچسپی اور احکام ربانی کی طرف رجوع شروع کیا تو اس رجحان کو دینی بیداری سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن یہ صورت حال اہل باطل کو ایک آنکھ نہ بھائی اور مشرق و مغرب کے اخبارات برقی ذرائع ابلاغ اور نام نہاد دانشور اس دینی بیداری کے خلاف طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ انھوں نے اسے مغالطہ انگیز ناموں سے موسوم کیا، منفی صفات سے متہم کیا اور عوام کو اس سے متنفر کرنے کی کوشش کی تاکہ دینی بیداری کی تحریک کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوں اور نوجوانوں کا صالح جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ عوام کا جم غفیر اس طرح کے معاملات میں طاقت کے سرچشمے کی طرف دیکھتا ہے تاکہ وہ ان کے روبرو اصل حقیقت اجاگر کرے۔ لیکن مخصوص علماء اور دیگر اصحاب مصالح پر مشتمل طاقت کے سرچشمے نے حقائق کو بدلنا شروع کیا اور دینی بیداری کی تحریک کے داعیوں اور اسے قبول کرنے والوں کو بدنام کرنے کی ٹھانی، چنانچہ انھوں نے یہ کام طرح طرح کے شکوک وشبہات کے کانٹے اُگا کر اور نت نئے نظریات گھڑ کر کرنا شروع کیا، انھوں نے ایک طرف عوام میں من گھڑت شبہات پھیلائے اور دوسری طرف لوگوں کو اس تحریک کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ دینی بیداری کی تحریک کو جن من گھڑت الزامات سے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، ان میں یہ بات بھی شامل تھی کہ یہ تحریک دین میں پھوٹ ڈال رہی ہے، مسلمانوں کی جماعت سے بغاوت کر رہی ہے اور دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کر رہی ہے جبکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ یہ باتیں مفاد پرستوں اور عثمانی دربار بابِ عالی کے جاہ ومنصب والوں میں خاص طور پر راہ پا گئیں۔ انھیں حکومت کے اثر و رسوخ، اقتدار چھن جانے اور اپنی شان گھٹ جانے کا خوف لاحق تھا۔ ان لوگوں نے مدینہ اور ینبع کے درمیان

وادیٔ صفراء میں امام عبداللہ بن سعود کی عثمانیوں کے لشکر پر فتح کے بعد اپنے ایک حکمران کی والدہ کے بغض و کینے کو بھی امام کے خلاف بھڑکایا کیونکہ اس سال عثمانی قافلے کو بغیر حج کیے واپس ہونا پڑا تھا۔ اس قافلے میں اس حکمران کی والدہ، اس کے خدام اور حاشیہ بردار بھی موجود تھے، ان کے ساتھ ایسے اصحابِ اغراض بھی مل گئے جو لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں، وقتی مذہبی لیڈری پر قناعت کرتے ہیں اور یوں اُن جاہلوں پر اپنا تسلط جماتے ہیں جنھیں اپنے دین کی حقیقت کا پتہ ہوتا ہے نہ ان تسلط جمانے والوں کے عزائم اور مذہب کا پتہ ہوتا ہے۔ یہی اصحاب اغراض اسلامی ملکوں میں سلفی اصلاحی تحریک کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں اور شکوک وشبہات پھیلاتے رہے۔ رسالت مآب ﷺ کو ایسے ہی گمراہ کرنے والے علماء کا خوف لاحق تھا جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔[1]

ان لوگوں نے عوام کی زندگی میں حساس رگ پر ضرب لگائی اور وہ ہے دین جو روحانی غذا کا کام دیتا ہے اور دل جس کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن حقیقت دین کا عوام کو پتہ نہیں ہوتا جن سرچشموں سے دین کو لینا ضروری ہے، اُن سے وہ ناواقف ہوتے ہیں، لہٰذا دین کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جاتا ہے، وہ اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ انھی بنیادوں پر اہل غرض اور مفادات کے پجاریوں میں اُس دعوت عظمیٰ کو بدنام کرنے لیے باہمی تعاون شروع ہوا جس کا مقصد مسلمانوں کو متحد کرنا، خرافات ترک کرنا، ذہنوں کو روشن کرنا اور لوگوں کو علم و دانش کی طرف متوجہ کرنا تھا کیونکہ یہی اصل سرچشمۂ حقیقت ہے۔ چنانچہ اس انقلابی دعوتِ عمل کی بدولت درعیہ کے لوگوں میں، جیسا کہ ابن غنام اور ابن بشر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے، علم سے

---

[1] صحيح البخاري، العلم، باب كيف يقبض العلم؟ حديث: 100، وصحيح مسلم، العلم، باب رفع العلم وقبضه......، حديث: 2673؛ وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في ذهاب العلم، حديث: 2652.

سیرابی اور کسب معاش کے لیے عمل مسلسل کی زبردست رغبت پیدا ہوگئی۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے تلامذہ علم وعمل کے لیے اپنے اوقات تقسیم کرتے تھے۔ بعد نماز فجر سے آفتاب بلند ہونے تک کا وقت حصول علم کے لیے مخصوص ہوتا تھا، پھر ظہر تک اپنے دوسرے کاموں اور کاشتکاری میں مصروف رہتے تھے۔ ظہر کے بعد آرام کرتے، عصر سے مغرب تک پھر کام میں لگے رہتے اور مغرب کے بعد سے عشاء تک علم ومعرفت کی تلاش وجستجو کے سلسلے میں مذاکروں کی نشستیں ہوتی تھیں۔

مخالفین کے شکوک اور اعتراضات

جن لوگوں کے مادی مفادات اور دنیاوی مصلحتیں شیخ رحمہ اللہ کی دعوت سے ٹکرائیں، انھیں شکوک وشبہات نے آلیا اور وہ آپ کی مخالفت اور آپ کو جھوٹا اور افترا پرداز مشہور کرنے کی کوشش پر آمادہ ہوگئے۔ ایسے لوگوں کی بڑی اکثریت خود آپ کی اپنی ہی قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ ان لوگوں نے شیخ اور شیخ کی دعوت پر بہت سی تہمتیں لگائیں۔ ان تہمتوں سے شیخ اپنے متعدد رسالوں میں براءت ظاہر کرتے رہے اور جس عقیدے کی وہ لوگوں کو دعوت دیتے تھے، اس کی صحت ثابت کرتے رہے۔ شیخ کی اہم خوبی یہ تھی کہ وہ کتاب وسنت سے ہٹ کر کوئی بات نہ کہتے۔ اب ہم شیخ رحمہ اللہ کے مخالفین اور ان کی افترا پردازیوں پر روشنی ڈالتے ہیں، اس سے طالبانِ حق کو معلوم ہوجائے گا کہ اصل خرابی کہاں ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے مخالفین کی دعوت حق کے بارے میں افترا پردازیوں اور غلط بیانیوں کو جو بھی پڑھے گا، وہ صاف محسوس کرلے گا کہ جو شکوک وشبہات وہ اٹھاتے ہیں اور جو جھوٹے بحث مباحثے انھوں نے گھڑ لیے ہیں، شیخ رحمہ اللہ کی کسی کتاب میں ان کا مطلق کوئی وجود نہیں ہے بلکہ آپ کے خطوط جو پوری ایک کتاب پر مشتمل ہیں۔ اور آپ کے بعد آپ کی اولاد واحفاد اور تلامذہ کے خطوط وجوابات جو کثیر تعداد میں ہیں، سب کے سب ان من گھڑت باتوں کی نفی کرتے ہیں اور سچی قسموں کے ساتھ ان سے اظہار براءت کرتے ہیں۔ وہ خطوط اور جوابات بھی ہر طرح کی غلط بیانیوں کی تردید کرتے ہیں جن کا تعلق تحریک دعوت اور اس کا دفاع کرنے والے افراد اور اس دعوت کے بارے میں پیدا کیے جانے والے بے بنیاد شبہات کا

ازالہ کرنے والی شخصیتوں سے ہے۔ ان خطوط کا سراغ ان محققین اورارباب قلم نے لگایا جنھوں نے شیخ رحمہ اللہ اوران کی تحریک دعوت کی تاریخ سے متعلقہ امور مرتب کرنے کا عزم کیا تھا۔ یہ خطوط اس زمانے کے ہیں جب شیخ محمد رحمہ اللہ سیاسی اور جہادی تگ و تاز میں مصروف تھے۔ ان خطوط کی روشنی میں مخالفین کے ہر شبہے اور غلط بیانی کی نفی ہو جاتی ہے۔

جب ہم ان شکوک اوراعتراضات کی اصل حقیقت کا سراغ لگاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ شبہات درج ذیل اُمور واحوال سے خالی نہیں:

① ایسے شکوک وشبہات جن کی جڑیں سابقہ فرقوں میں پائی جاتی ہیں، وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب پر جڑ دیے گئے ہیں جبکہ ان کے بارے میں شیخ کی رائے اہل سنت والجماعت کی رائے کے مطابق ہے۔ وہ صفِ اسلامی سے ان فرقوں کے الگ ہونے پر نکیر کرتے ہیں، اُسی طرح جس طرح ان سے پہلے شام میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مراکش میں امام شاطبی اور مصر میں 660 ھ میں عز بن عبدالسلام رحمہم اللہ اُن پر نکیر کر چکے ہیں۔

② یا وہ شکوک وشبہات من گھڑت ہیں، ان کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے، شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تالیفات اور نقل شدہ اصل عبارتوں میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا، نہ ان کے تلامذہ اور اولاد کی کتابوں میں ان کا کوئی وجود ہے۔ اور جہاں تک گھڑی ہوئی چیزوں کا تعلق ہے، ان کی کوئی حد نہیں ہے، ان میں پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر ملمع سازی کی گئی ہے۔ شیخ کے خطوط نے اس معاملے کے برخلاف بہت کچھ ظاہر کر دیا ہے جیسا کہ ان چار خطوط کے اقتباسات سے ظاہر ہے جو باہر کے لوگوں کو بھیجے گئے۔ ان میں شیخ کی طرف منسوب جملہ اعتراضات سے براءت گزر چکی ہے۔ [1] شیخ کے قول وعقیدے میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بطور مثال اہل قصیم کو بھیجے گئے ان کے ایک خط سے ان کا یہ قول لے لیجیے: آپ لوگوں کو

[1] دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ: 75-77 اوران خطوط کی اصل کے لیے حاشیے میں دیکھیے۔

معلوم ہے کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ لوگوں کو سلیمان بن سحیم [1] کا خط موصول ہوا ہے جسے آپ کے ہاں علم کی طرف منسوب بعض اشخاص نے پسندیدہ نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے جبکہ اللہ جانتا ہے کہ اس شخص نے میرے خلاف کئی ایسی بے بنیاد باتیں کہی ہیں جنھیں میں نے کہا ہی نہیں بلکہ وہ میرے دل پر بھی نہیں گزریں، جیسے اس کا یہ کہنا: میں چاروں مذاہب کی کتابوں کو منسوخ جانتا ہوں اور کہتا ہوں: لوگ چھ سو سال سے کسی دین، مذہب پر نہیں ہیں۔ میں اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں، مجھے تقلید کی کوئی ضرورت نہیں اور میں کہتا ہوں کہ علماء کا اختلاف مصیبت ہے۔ جو بزرگوں کا وسیلہ پکڑتا ہے، میں اسے کافر کہتا ہوں۔ میں البوصیری کو اس کے قول: ”یا أکرم الخلق!“ کی بنا پر کافر کہتا ہوں اور میں کہتا ہوں: اگر رسول اللہ ﷺ کا قبہ ڈھانے پر میں قادر ہو جاؤں تو یقیناً اسے ڈھا دوں گا اور اگر کعبے پر میرا قبضہ ہو جائے تو میں اس کا پرنالہ نکال کر وہاں لکڑی کا پرنالہ لگا دوں گا اور میں قبر نبی ﷺ کی زیارت کو حرام کہتا ہوں اور والدین وغیرہما کی قبروں کی زیارت کا انکار کرتا ہوں۔ جو غیر اللہ کی قسم کھائے میں اسے کافر کہتا ہوں، ابن فارض اور ابن عربی کو کافر گردانتا ہوں، دلائل الخیرات کو جلا دیتا ہوں اور روض الریاحین کا نام روض الشیاطین رکھتا ہوں۔

ان سارے اتہامات کے بارے میں میرا جواب ہے: سبحانك هذا بهتان عظيم ”یا اللہ تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔“ اس سے پہلے محمد ﷺ پر لوگوں نے بہتان لگایا کہ آپ ﷺ عیسیٰ ابن مریم کو گالی دیتے ہیں اور بزرگوں کو برا کہتے ہیں تو گویا ان لوگوں کے دل افترا پردازی اور غلط بیانی میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں۔ [2]

---

[1] یہ اہل ریاض میں سے ایک شخص ہے جس نے دعوت کا مقابلہ اور مخالفت کی اور شیخ نے جو باتیں کہی نہیں وہ گھڑ گھڑ کر بیرونی ممالک کے لوگوں کو لکھا کرتا تھا۔

[2] رسالہ مذکور مکمل شیخ کی مؤلفات: 5/8-13 میں شخصی خطوط دیکھیے اور اس کتاب کے ضمیمہ میں صفحہ: 116 اور اس کے بعد کے صفحات بھی دیکھیے۔

③ جب شیخ کے متبعین سے بحث کرنے والے حریف لا جواب ہو گئے تو اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی غرض سے شیخ اور ان کی دعوت کو بدنام کرنے لگے کیونکہ بحث کے دوران جو حقیقت کھل کر سامنے آئی، اسے یہ لوگ بیان کر دیتے تو ان کا پول کھل جاتا اور ان کے سارے مراتب اور مفادات کا ستیاناس ہو جاتا، لہٰذا ان کے لیے حقیقت کو بدلنے اور نتیجے کی ملمع سازی کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا، اس لیے عوام کے سامنے اصل حقیقت ہی نہیں لائی گئی۔

④ یا وہ شبہات شیخ رحمہ اللہ کی اصل تحریروں سے قطع و برید کیے ہوئے من پسند اقتباسات ہیں یا اپنے اصل اور صحیح معنی سے ہٹا کر تاویل شدہ اقوال ہیں، جیسے کوئی ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴾ پڑھے اور آیت مکمل کرنے سے پہلے خاموش ہو جائے۔

اسی ضمن میں معترضین کا یہ چرچا بھی شامل ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے ماننے والے، نبی ﷺ پر درود اور آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ ایسی لغو اور بے بنیاد بات ہے جس کی کوئی عقل مند آدمی تصدیق نہیں کر سکتا۔

کوئی بعید نہیں کہ جتنے لوگوں نے شیخ اور ان کی دعوت پر حملہ کرتے ہوئے من پسند ریمارکس دیے ہیں، انھوں نے شیخ کی کسی کتاب کو سرے سے کھول کر دیکھا بھی نہ ہو۔ چاہے وہ کتاب توحید و عقیدہ کے بارے میں ہو یا فقہ و احکام پر یا تفسیر و سیرت نبوی کے موضوع پر، نہ انھوں نے کسی رائے پر کوئی علمی بحث کی ہو، محض دنیوی مفادات انھیں حرکت میں لائے ہوں، نفسانی خواہشات نے انھیں اندھا کر دیا ہو اور اس خارجی اباضی رستمی وہابیت کے عیوب کو فوری طور پر ہاتھوں ہاتھ لینے کے لیے انھوں نے موقع غنیمت جانا ہو، جس کے بارے میں علمائے اسلام نے بہت کچھ کہا ہے مراکش میں اس پر لمبی بحث ہو چکی ہے، اس پر رد لکھے جا چکے ہیں، اس پر مباحثے ہو چکے ہیں اور علمائے مراکش و اندلس اپنی کتابوں میں اس پر زبردست رد و قدح کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود افترا پردازوں نے رستمی وہابیت کے عیوب کو ہاتھوں ہاتھ لیا تاکہ

ان عیوب کو نئی دعوت کے ساتھ شروع ہی میں جڑ دیا جائے۔

مخالفین کو اور کیا چاہیے تھا۔ انھوں نے نام میں قربت سے فائدہ اٹھایا، دونوں تحریکوں کے لقب میں موافقت دیکھی۔ جھٹ پہلی کا دوسری پر اطلاق کر دیا اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اصلاحی دعوت کا ایک نیا اصطلاحی نام رکھ دیا جو خاص طور پر شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے ذہن میں موجود ایک گہری جڑ ''وہبیت یا وہابیت'' کا نام ہے، یوں انھیں ایک ریڈی میڈ لباس مل گیا جسے شیخ محمد کی دعوت کو پہنا کر اور پہلی مدفون تحریک کے عیوب ڈھونڈ ڈھونڈ کر شیخ محمد کی دعوت پر چسپاں کر دیے تاکہ عام لوگوں کو اس سے نفرت دلائی جائے۔ ادھر مراکشیوں کا اہل سنت کی مخالف دعوتوں، عبدالوہاب بن رستم کی دعوت، پھر عبیدی فاطمیوں وغیرہ کی دعوت کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے ہونے کا مثبت رول ہے جس کی تاریخ شاہد ہے۔ اسی طرح اُن کی طرف سے اپنے ملک میں سامراج کی مخالفت اور اس کے مقاصد کے برعکس ڈٹ جانے کی بھی تاریخ شاہد ہے۔

سچائی کے ثبوت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ سچائی ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سلفی دعوت نے مسلمانوں کو منہج محمدی کی سادگی کی طرف مدعو کیا۔ مسلمان اختلافات کا شکار تھے اور افتراق نے ان کی کمر توڑ دی تھی، چنانچہ وہ سلفی دعوت کی طرف تیزی سے لپکے۔ اس منہج محمدی میں اتحاد پیدا کرنے اور ان اختلافات کو چھوڑنے کا مؤثر سبب موجود ہے جن کے ذریعے دشمن اپنے راستے تراش کر داخل ہوتے ہیں بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ عالم اسلام میں، خصوصیت سے شمالی افریقہ میں اس سلفی دعوت کے لیے سینے کھل گئے اور وہاں کے باشندوں نے اسے قبول کر لیا کیونکہ یہ دعوت ہر مسلمان کی باطنی طلب کا قدرتی جواب ہے۔

اس صورت حال سے مفاد پرستوں، خواہشات کے غلاموں اور بدعتیوں کی نیند حرام ہوگئی، چنانچہ انھوں نے حقیقت سے آنکھیں بند کر لیں اور دعوت کو بدنام کرنے، اسے مٹانے، لوگوں کو اس سے غافل کرنے اور اس کے مصادر کی بحث و تحقیق سے توجہ ہٹانے کی بھرپور کوشش کی۔

اس کی تصدیق یورپی محققین اور فرانسیسی، اٹالین، انگریز اور جرمن مستشرقین کی اسلام اور مسلمانوں کے متعلق تحریروں سے بھی ہوتی ہے جن میں خصوصیت سے شمالی افریقہ کے احوال مذکور ہیں۔ خاص طور پر جب وہ تاریخ اسلام میں نئی فکری بیداری کا تذکرہ کرتے ہیں تو منصفانہ تحقیقات سے اس کا سرا ہمیشہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اصلاحی دعوت اور عالم اسلام میں اس کے پھیلنے سے ملتا ہے کیونکہ یہ دعوت ایسے وقت میں آئی جب تاریکی اور جہالت کا دور دورہ تھا۔ یہی وقت تھا جب مسلمانوں نے اس سلفی دعوت کا ادراکِ حقیقت کیا جس کی تجدید شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کی اور جس نے مسلمانوں کے لیے صحیح اسلامی منہج اور صاف ستھرے عقیدے میں فکری اور اعتقادی بیداری لوٹائی اور اسلام کو سابقہ پاکیزگی کے ساتھ باقی رکھا اور اسے بدعات سے داغ دار اور بدنما نہیں کیا۔ یہ وہی راہ ہے جس پر تاریخ اسلام کے صاحب علم مصلحین، منہج سلف صالح کے مجددین، جیسے: ابن تیمیہ احمد بن عبدالحلیم متوفی شام 728ھ، ابن قیم جوزیہ متوفی دمشق 751ھ، شاطبی متوفی غرناطہ، اندلس 790ھ، عز بن عبدالسلام متوفی مصر اور ان کے علاوہ بہت سے سلف کے علماء چلتے رہے۔

اکثر علمائے حق اور عرب و مسلم مفکرین نے بیان کیا ہے اور استاذ عبداللہ بن سعد بن رویشد نے اپنی کتاب ''الإمام محمد بن عبدالوهاب في التاريخ'' میں تقریباً 40 ایسی آراء بیان کی ہیں جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے میں ان کی دعوت کے اہم کردار کو تسلیم کرتی ہیں۔ [1]

[1] دیکھیے ان کی کتاب مذکور: 2/300-360۔

شبہات کا اعادہ

اس وقت ساری دنیا اور خاص طور پر عالم اسلام میں کمیونزم، ماسونیت (Free Masons)، وجودیت (فرانسیسی دانشور ژاں پال سارتر کا نظریہ)، لادینیت، الحاد اور اسی طرح کے متعدد فاسدانہ نظریات پھیل گئے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے ان سے نجات پانے اور سلامتی کے ساحل تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ طرح طرح کی آلودگیوں اور آمیزشوں سے پاک صرف خالص اسلام اپنالیں، اس لیے کہ مسلمان نسلوں کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام سے محبت کا جوہر رکھا ہے۔ ان میں اسلامی عقیدے سے ایسی وفاداری اور محبت پائی جاتی ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیتی ہے۔ یہ ایک فطری چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں پیدا کی ہے کہ اسلام کی جڑیں انھیں کھینچتی ہیں اور اسلام کا تعلق انھیں اپنی طرف مائل کرتا ہے تاکہ ان کے دل مل جائیں اور نفوس ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں۔ لیکن بعض لوگ جنھیں مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی اور اُن کے سینے بہت سے اغراض و مقاصد اور پرانے کینے اور کدورت سے بھرے ہوتے ہیں، وہ کم سمجھ بوجھ والے، وقتی فوائد کے پیچھے دوڑنے والے، حقیقی علم و معرفت سے کورے لوگوں کا غلط استعمال شروع کر دیتے ہیں، پھر ایسے ہی لوگ علم کے نام پر دینی غیرت اور ہمہ دانی کے زعم میں مبتلا ہو کر بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے لیے ایسے ہی گمراہ کن علماء نے خطرہ تھا جو لوگوں کے سامنے مسائل کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔

اس کا احساس اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ افریقہ، ایشیا اور یورپ کے مختلف ملکوں میں ایسی

کتابیں چھاپ کر مفت تقسیم کی جاتی ہیں جن کی بدولت مسلمانوں میں پرانے شبہات کا از سرنو اعادہ کیا جاتا ہے، حالانکہ مسلمان جو مدت تک فتنوں کے بھنور میں پڑے رہے اور دشمن ان کی صفوں میں فساد اور ہلاکت پھیلاتا رہا، ماضی کے پرانے کینوں اور کدورتوں کو بھول چکے تھے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے منہج پر از سرنو متفق ہونے لگے تھے تاکہ دین کو غلط اور بے اصل آمیزشوں سے صاف کیا جا سکے لیکن نصرانیت کے کینوں اور یہودیوں کی مکاریوں نے اپنے اعوان اور چیلے چانٹوں کو حرکت دینی شروع کی کیونکہ اب عالم اسلام تو کیا خود مغربی ممالک میں ان کا دیوالیہ نکل رہا ہے۔ ان کی اپنی نسلیں ان کے خلاف ہو چکی ہیں اور انھیں علم ہو چکا ہے کہ مروجہ تحریکیں بالکل کھوکھلی ہیں۔

پھر ان لوگوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی نئی نسلیں اسلام کی صحیح اور پاکیزہ دعوت کی طرف لوٹنے لگی ہیں تو ان سے برداشت نہ ہو سکا، مثلاً: افریقہ میں دعوت وارشاد کا کام کرنے والے ایک شخص نے مجھے افریقہ کے دینی احوال بتائے، انھوں نے کہا کہ نہ صرف افریقہ بلکہ دنیا بھر میں اسلام کی تعلیمات ٹھیک ٹھیک قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ انھوں نے ایک افریقی عالم کا قصہ سنایا اور بتایا کہ بعض اسلامی ملکوں میں سلفی اصلاحی دعوت کے خلاف مختلف زبانوں میں کتابیں شائع کر کے وسیع پیمانے پر دور ونزدیک بھیجی جاتی ہیں۔ اسی قسم کی بعض کتابیں متذکرہ افریقی عالم کے ہاتھ لگیں تو وہ ان بے اصل کتابوں سے متاثر ہو گئے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت میں طرح طرح کے شبہے نکال کر اسے بدنام کرنے لگے۔

داعی نے اس عالم سے پوچھا: کیا آپ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کوئی کتاب پڑھی ہے؟ وہ بولے: ''نہیں'' لیکن ان کے متعلق لوگوں نے جو کچھ کہا ہے، وہ رائے قائم کرنے کے لیے کافی ہے۔ داعی ہوشیار تھا، اس نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی ''کتاب التوحید'' کا ٹائٹل اتار کر

یہ کتاب عالم موصوف کو پیش کی اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ کتاب پڑھیں اور کل اس کے بارے میں اپنی رائے سے مطلع کریں۔

اگلے دن حسب وعدہ ملاقات ہوئی تو عالم موصوف نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی اور مؤلف کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہوئے رحمہ اللہ کہا کیونکہ یہ کتاب کلام الٰہی اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ علم اور ان سنجیدہ اور ٹھوس تعلیمات پر مشتمل تھی جن کے ذریعے مسلمان اپنے عقائد کی اصلاح کے محتاج ہیں۔ اب داعی نے کتاب التوحید کا دوسرا نسخہ ٹائٹل سمیت عالم مذکور کے سامنے رکھ دیا اور کہا: جناب والا! یہی ہے وہ کتاب جس کا مطالعہ آپ نے کیا ہے اور اسی کے مؤلف ہیں اصلاحی، تجدیدی اور سلفی دعوت والے شیخ محمد بن عبدالوہاب جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ ان کی دوسری کتابیں بھی اسی قسم کی ہیں۔ اس پر اس عالم نے ''حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل'' پڑھا، یعنی ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر کہا: شیخ کو اُن برائیوں سے متہم کیا گیا جو اُن میں ہرگز نہیں پائی جاتیں اور ان کے بارے میں جو کچھ ہم پڑھتے ہیں، وہ ان کی اپنی اس کتاب کے مندرجات کے بالکل خلاف ہے، بے شک یہی توحید خالص ہے جسے محمد بن عبداللہ علیہ الصلاۃ والسلام لے کر آئے اور اسے مضبوطی سے تھامنے کی دعوت دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور عالم موصوف کو سلفی اصلاحی دعوت پر پوری طرح اطمینان ہوگیا۔

عرصہ ہوا، اسی طرح کا ایک واقعہ ہندوستان میں بھی پیش آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے ''البکری'' نام کے ایک شخص کے ذریعے اسی کے مشابہ ایک مسئلے میں مناظرے کے دوران علمائے ہند میں سے ایک عالم کو ہدایت دی۔ ایسا عام طور پر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے اور دوسروں کو ان کا ارادہ جانے بغیر اپنے اوپر کوئی رائے تھوپنے کا موقع نہیں دینا چاہیے کیونکہ علمی رائے اور ایسی حقیقت جس کا تعلق دین اور عقیدے سے ہو، سمجھدار مسلمان

کے لیے ضروری ہے کہ اسے خود ہی ڈھونڈے، اس کی اصل کا کھوج لگائے، اطمینان کرے اور خوب غور کرے تاکہ وہ قدم جمنے کے بعد پھسلنے نہ پائے کیونکہ ایسی غلطی کے نتیجے میں صفِ اسلامی میں اختلاف پیدا ہوتا ہے جس سے صرف وہ دشمن فائدہ اٹھاتا ہے جو مسلمانوں کے مابین تفریق ڈالنے اور ان کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے بڑی کوشش کرتا ہے، خوب مال خرچ کرتا ہے، اپنے ذہن اور مددگاروں کو اسی کام پر لگاتا ہے کیونکہ اس تفریق سے اس کے بھاری مفادات وابستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردے اور اس آخری زمانے میں ان کے دلوں میں اسی طرح الفت و محبت پیدا کردے جس طرح شروع دور میں ان میں باہم الفت و محبت پیدا کی جس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا تھا:

﴿ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾

''اور اس نے ان کے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کردیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی بے شک وہ زبردست اور خوب حکمت والا ہے۔''[1]

یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ان کا دین خراب نہ کردیں اور انھیں آپس میں دائمی اختلاف اور باہمی بغض و عداوت رکھنے والا نہ بنادیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں یہ ارشاد فرما کر ان کا اصل بھید کھول دیا:

﴿ وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴾

[1] الأنفال 8:63.

”اور یہود ونصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیروکار نہ بن جائیں، کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے اور آپ کے پاس جو علم آ گیا ہے، اس کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کو اللہ (کی پکڑ) سے (بچانے والا) نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔“[1]

بقول امام مالک رحمہ اللہ اس امت کے آخری لوگوں کی اصلاح اسی چیز سے ہوگی جس سے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی۔ پہلے لوگوں کی اصلاح صرف اسلام کے صاف خالص عقیدے سے ہوئی، اس لیے آخری دور کے لوگوں کی اصلاح بھی صرف اسی سے ہوگی۔

دعوت کے اندرونی مخالفین

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کا مقابلہ سب سے پہلے اسی علاقے میں ہوا جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے ایسے لوگ اٹھے جو علم کے دعوے دار تھے۔ یہ لوگ مخصوص اغراض و مفادات کے بندے تھے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی جو اصل تعلیمات آشکارا کر رہے تھے، عام لوگ ان تعلیمات سے یقیناً متاثر ہوتے اور ان کے شیدائی بن جاتے۔ اس طرح اہل اغراض کے مفادات پر بھاری ضرب پڑتی۔ بس یہی خوف تھا جس کی وجہ سے مفادات کے پجاری سلفی دعوت کی طرف سے تشویش میں مبتلا تھے۔ خواہش نفس انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ اسی بے بصیرتی کے زیر اثر حسد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے جس کا اس محاذ آرائی میں ایک بڑا کردار ہے جیسا کہ عربی شاعر کہتا ہے:

حَسَدُوا الْفَتٰى إِذْ لَمْ يَكُونُوا مِثْلَهُ
فَالْقَوْمُ أَعْدَاءٌ لَّهُ وَخُصُومٌ

---

[1] البقرۃ 2:120.

”یہ لوگ جب صالح نوجوان کے مثل نہ ہو سکے تو اس سے حسد کرنا شروع کر دیا اور اس کے دشمن بن گئے۔“

یہاں تک کہ ان لوگوں نے شیخ کی دعوت پر من گھڑت عیب لگا کر، کذب بیانی اور افترا پردازی کر کے دعوت حق کا مقابلہ کیا، پھر اپنے خوف کا مداوا کرنے، لوگوں کو دعوت سے متنفر کرنے اور دھوکا دینے کے لیے اِدھر اُدھر خطوط ارسال کرنے لگے جیسا کہ ابن سحیم اور ابن مویس وغیرہما سے یہ حرکت صادر ہوئی۔ ان کا ہم عنقریب تذکرہ کریں گے اور ان کے ان خطوط کی طرف بھی اشارہ کریں گے جنھیں خود شیخ محمد نے ان رسالوں میں درج کیا ہے جنھیں وہ بیرونی لوگوں کو دعوت دینے، اپنے موقف کی وضاحت کرنے اور دوسری جانب سے کانوں میں جو کذب بیانیاں پھونک دی گئی تھیں، اُن کے ازالے کے لیے بھیجتے تھے۔ ہم ان جھگڑوں اور خط کتابت کی تفصیل میں نہیں پڑیں گے، ہمیں دلیل کے لیے یہ آیت کریمہ ہی کافی ہے:

﴿ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ﴾

”جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے۔“[1]

تنقید کرنے والے اور جس پر تنقید کی گئی، تہمت لگانے والے اور جس پر تہمت لگائی گئی سبھی لوگ دنیا سے چلے گئے مگر زمانے کی کسوٹی نے شیخ محمد رحمہ اللہ کے خلوص اور للّٰہیت کو سب کے سامنے ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ ان کی دعوت کی صدائے بازگشت نہ صرف باقی رہی بلکہ پروان چڑھتی رہی اور ہر جگہ لوگ شیخ رحمہ اللہ کی کتابوں کی تلاش اور ان کے معارف کے مطالعے کے خواہش مند رہے۔ اسی طرح بہت سے مقابلہ کرنے والوں پر جب دعوت کی سلامتی اور داعی کے مقصد کی سچائی واضح ہو گئی تو وہ بھی ہدایت کی طرف پلٹ آئے کیونکہ حق ہی اتباع کے لائق

[1] الرعد 17:3.

ہے۔ رہے مقابلہ کرنے والے تو ان کے نام مٹ گئے اور انھوں نے جو کچھ کہا، سب نابود ہو گیا اور سب نہ سہی تو ان میں اکثر ایسے ضرور ہیں کہ اگر شیخ محمد رحمہ اللہ کے رسائل میں ان کا ذکر نہ ہوتا تو پتا ہی نہ چلتا کہ یہ کون لوگ ہیں۔

یہ دنیا کا حال ہے، رہا آخرت کا معاملہ تو بدلہ اللہ جل شانہ کی جانب سے ہے کیونکہ وہی رازوں اور دلوں میں چھپی باتوں کو جانتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے مخالفین کی قسمیں بیان کی ہیں:

① پہلی قسم بدعتی علماء کی ہے جو حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ قبروں پر عمارتیں کھڑی کرنا، ان پر مسجدیں بنانا، اللہ کو چھوڑ کر مردوں کو پکارنا، ان سے فریاد کرنا اور اس طرح کے دوسرے اعمال کو دین وہدایت خیال کرتے ہیں اور جو ان کا انکار کرے، اسے اولیاء وصالحین کو ناراض کرنے والا اور اس قدر شدید دشمن سمجھتے ہیں جس سے جہاد ضروری ہے۔

② دوسری قسم علم کی طرف منسوب ان لوگوں کی ہے جو شیخ کی حقیقت اور جس حق کی انھوں نے دعوت دی، اسے نہیں جان سکے بلکہ انھوں نے غیروں کی تقلید کی اور شیخ کے بارے میں گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والوں نے جو کچھ کہا، اس کی تصدیق کی۔ مزید برآں گمراہ کن لوگوں نے شیخ کی طرف اولیاء وانبیاء سے بغض وعداوت اور ان کی کرامتوں سے جو انکار منسوب کیا، اس پر یقین کر لیا اور اس پر شیخ کی مذمت کی، ان کی دعوت پر عیب دھرا اور شیخ سے لوگوں کو متنفر کیا۔

③ تیسری قسم ان جاہ پسند لوگوں کی ہے جنھیں اپنے منصب ومرتبے کی فکر لاحق تھی۔ انھوں نے شیخ سے اس لیے دشمنی کی کہ کہیں دعوت اسلامیہ کی تائید کرنے والے عروج پا کر آگے نہ آجائیں اور انھیں ان کے عہدوں سے دست بردار کر کے ان کے ملکوں پر قابض نہ ہو جائیں۔[1]

دعوت کے مشہور مخالفین جو باہر کے لوگوں سے خط کتابت کرتے تھے اور شیخ پر ایسی باتوں کا

---

[1] دیکھیے شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی کتاب: الإمام محمد بن عبدالوهاب دعوته وسيرته، ص :28,27.

الزام لگاتے تھے جو شیخ نے کبھی نہیں کہیں، پھر جب ان پر زمین تنگ ہوگئی اور لوگ شیخ محمد کی دعوت کی حقیقت سے واقف ہوگئے اور اس کی پیروی کرنے لگے کیونکہ یہ دعوت سراسر اللہ کے دین خالص کی دعوت ہے تو ایسے لوگوں کو ملک چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا تاکہ وہ اپنی کارستانیاں بدستور جاری رکھیں اور انھیں ایک ایسا وسیع تر میدان حاصل ہوجائے جس میں وہ اینڈتے پھریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے بہت سے مسلمانوں پر ملمع سازی کی اور وہاں کے بعض علماء بھی بغیر سوچ سمجھے ان سے دھوکا کھا گئے۔

ہم ان میں سے بعض افراد کا مختصراً حال سناتے ہیں:

① سلیمان بن محمد بن سحیم جن کا شیخ کے بہت سے خطوط میں تذکرہ آیا ہے۔ یہ وہ ذاتِ شریف ہیں جن کا ہاتھ شیخ کو بدنام کرنے میں سب سے زیادہ تیز تھا۔ وہ شیخ کی دعوت پر حملہ کرنے کے لیے بیرونی لوگوں کو خطوط لکھا کرتے تھے۔ وہ ان خطوط میں لوگوں کے سامنے ایسی باتوں کی منظر کشی کرتے تھے جو شیخ سے سرزد ہی نہیں ہوئیں، نہ ان کی کوئی اصل تھی۔ یہ علمائے ریاض میں سے تھے۔ پہلی سعودی حکومت کے دور میں سقوط ریاض کے بعد ''احساء'' پھر عراق کے علاقے ''زبیر'' چلے گئے، جہاں 1181ھ میں وفات پا گئے۔ ان کی نسل وہاں آج بھی موجود ہے۔[1]

بیان کیا جاتا ہے کہ آل سحیم کے بہت سے لوگوں کو سلفی دعوت سے دشمنی تھی اور یہ سب کے سب اس وقت شہر مجمعہ اور ریاض کے علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے، شاید اس دشمنی میں علماء کے معروف فتنۂ معاصرت، حسد اور بغض کو دخل ہے کیونکہ شیطان انسان میں کسی نہ کسی راستے داخل ہونے کا حریص ہے۔

② محمد بن عبداللہ بن فیروز، یہ حضرت اصلاً نجدی اور ولادۃً احسائی تھے، مشہور علماء میں سے تھے۔ وہ بصرہ منتقل ہوئے اور وہاں سکونت اختیار کی تو عثمانی والیٔ بصرہ عبداللہ آغا نے ان کا خاص

[1] ان کے سوانح ابن بسام کی کتاب علماء نجد خلال ستة قرون: 1/322 اور تاریخ ابن غنام میں دیکھیے۔

خیال رکھا۔ تاحیات وہیں مقیم رہے۔ 1216ھ میں انتقال ہوا اور ''زبیر'' میں دفن کیے گئے۔

جب آل سعود کا لشکر احساء میں داخل ہونے لگا تو یہ وہاں سے نکل بھاگے کیونکہ انھوں نے سلفی دعوت کا شروع ہی سے مقابلہ کیا تھا۔ والی کے پاس رہ کر انھیں سلطان عثمانی کو سلفی دعوت کا صفایا کرنے پر اکسانے کا موقع مل گیا۔[1] ان کے بعض شاگردوں نے ان کے اس کردار کی تائید کی جبکہ ایک شاگرد محمد بن رشید عفالی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ جب امام سعود بن عبدالعزیز کا مدینہ پر قبضہ ہوا تو انھوں نے اپنی عادت اکرامِ علماء کے مطابق ان کی عزت افزائی کی اور انھیں مدینہ کا قاضی بنا دیا۔ سلفی دعوت کو انھوں نے بہت پسند کیا اور اس کی دعوت دینے والوں میں سے ہو گئے۔ جب انھوں نے مصر میں سکونت اختیار کی تو وہاں ان کی کوشش بارآور ہوئی، لوگوں نے ان سے محبت کا برتاؤ کیا اور وہاں سلفیت کا تعارف کرانے میں ان کا زبردست کردار رہا۔ وہ قاہرہ میں 1257ھ میں انتقال کر گئے۔[2]

③ **محمد بن عبدالرحمٰن بن عفالق:** احساء میں ان کا ایک علمی مقام تھا۔ طلبہ استفادے کے لیے ان کے پاس جاتے تھے۔ احساء میں 1163ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے شیخ محمد رحمہ اللہ کی دعوت کا ابتدائی دور پایا۔ دعوت سے دشمنی رکھی اور شیخ کو چیلنج کرتے ہوئے ایک خط لکھا کہ سورۂ عادیات جن مجاز، استعارہ، کنایہ وغیرہ علوم بلاغت پر مشتمل ہے، انھیں بیان کریں کیونکہ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کی معرفت اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کے لیے بلاغت کی باریکیوں اور علم بیان کی اصطلاحوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے...... یہ بات شیخ عبداللہ بن بسام نے ان کے سوانح بیان کرتے ہوئے بتائی ہے۔[3]

---

[1] دیکھیے ان کے سوانح علماء نجد خلال ستة قرون لابن بسام: 882/3-886 میں اور دعوت کی مخالفت میں ان کا رسالہ ابن غنام اور ابن بشیر کی تاریخ میں۔

[2] دیکھیے عبدالرحمٰن آل الشیخ کی کتاب: مشاہیر علمائے نجد: 228، وہ ان کا نام احمد لکھتے ہیں۔

[3] دیکھیے علماء نجد خلال ستة قرون: 820/3.

④ عبداللہ بن عیسیٰ مویسی قاضی حرمہ: ان کا تذکرہ شیخ کے خطوط میں اکثر آیا ہے۔ شیخ محمد ان کی کارستانیاں بیان کرتے ہیں اور لوگوں کو ان سے خبردار رہنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ وہ جزیرہ نمائے عرب میں دعوت پھیلنے اور اس کا دائرہ وسیع ہونے سے قبل ہی اپنے شہر میں 1175ھ میں وفات پا گئے۔ [1]

⑤ عثمان بن عبدالعزیز بن منصور: انھوں نے عراق میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے معروف اساتذہ میں سے داود بن جرجیس اور محمد بن سلوم فرضی ہیں۔ یہ دونوں شیخ کے سخت مخالفین میں سے ہیں۔ ابن جرجیس اور علمائے نجد کے مابین اس دعوت کے بارے میں سوال جواب کا سلسلہ اور کشیدگیاں چلتی رہیں۔ ابن بسام نے ان کے سوانح میں لکھا ہے کہ موصوف اپنے اعتقادی رجحان میں متردد رہے۔ کبھی سلفی دعوت کو چاہنے لگتے اور خود کو اس دعوت سے منسوب کرتے اور کبھی اس سے دوری اختیار کر کے اس کے دشمنوں سے دوستی کر لیتے۔ اسی وجہ سے داود بن جرجیس جب نجد پہنچے اور مردہ بزرگوں کا وسیلہ پکڑنے، ان سے مدد چاہنے اور اس طرح کے دوسرے مسائل جو خالص عقیدے کے خلاف ہیں، ثابت کرنے لگے تو ان کی تائید کی، ان کے طریقے کی ثنا خوانی کی، ان کی کتاب کی تقریظ لکھی اور چھتیس اشعار پر مشتمل قصیدے سے اپنے منہج کی تعریف کی جس کا ساٹھ سے زیادہ علمائے نجد نے اسی وزن اور قافیے میں رد لکھا ہے۔ [2]

⑥ محمد بن عبداللہ بن حمید: ولادت عنیزہ میں 1232ھ میں ہوئی۔ مکہ میں مفتیٔ حنابلہ رہے۔ طائف میں 1295ھ میں انتقال کر گئے۔ ابن بسام ان کے سوانح میں کہتے ہیں کہ موصوف نے حکومت عثمانیہ کے وظیفہ خوار اور حرم مکی میں مفتیٔ حنابلہ ہونے کے ناتے عقیدۂ سلفیہ سے جنگ کی۔ اندرون ملک سلفی دعوت کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والوں کی کثرت اور بیرون نجد

---

[1] دیکھیے علماء نجد خلال ستة قرون: 604/2.

[2] دیکھیے علماء نجد خلال ستة قرون: 696/3.

ایسے علماء کی شاگردی کی وجہ سے جو اس دعوت سے جنگ کے لیے وقف تھے، ان کا ایک خاص مزاج بن گیا اور وہ دعوت کے مخالف اور اس کے دشمنوں کے دوست بن گئے۔ [1]

⑦ مربد بن احمد تمیمی: انھوں نے دعوت کا مقابلہ کیا۔ 1170ھ میں یمن چلے گئے اور دعوت، داعیوں اور اس کے جملہ ذمے داروں کو بدنام کرنا شروع کیا۔ وہ وہاں تقریباً دس مہینے رہے۔ بعد ازاں حجاج کے ساتھ حجاز آ گئے۔ ان کی سوانح حیات میں ان کے متعلق ابن بسام نے لکھا ہے: الغرض یہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے اصلاحی دعوت کا مقابلہ کیا، انھی لوگوں نے دعوت کو بدنام کیا، جھوٹی باتوں کی تہمت لگائی اور اس کے خلاف غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ جو دعوت کی حقیقت نہیں جانتا اور اس کے حسنات و برکات سے بے خبر ہے، وہ ان کی وجہ سے دھوکا کھا گیا اور اسے دشمنی کے ایک تیر سے نشانہ بنایا گیا۔ وہ تیر یا تو کینہ اور حسد رکھنے والوں کا تھا یا دھوکا کھائے ہوئے لوگوں کا یا دین و اصلاح کے دشمنوں کا حتیٰ کہ عثمانی لشکروں نے دعوت کے علاقے میں گھس کر اس پر حملہ کر دیا، اس کی رفتار پر پابندی لگا دی، اس کے داعیوں کا خاتمہ کیا۔ پہلی سعودی حکومت کے بادشاہوں میں سے دعوت کے ذمے داروں کا صفایا کیا اور شیخ کی اولاد و احفاد میں سے اصحاب علم کو قتل کر کے دعوت کا اُجالا گہنا دیا۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کرنا چاہا تو بہادر امام ترکی بن عبداللہ کو تیار کیا۔ انھوں نے ترکی لشکروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ملک کو ان لوگوں سے پاک کر دیا۔ [2]

الحمدللہ! یہ سلفی دعوت ہی کا مبارک ثمر ہے کہ یہ بلدۂ اسلام اب تک پر امن اور ہموار راستے پر گامزن ہے، وسیع پیمانے پر شریعت اسلامیہ نافذ ہے جس کے زیر اثر اس مقدس سرزمین کا ہر

---

[1] دیکھیے علماء نجد خلال ستة قرون:3/866,865، نیز دیکھیے ابن حمید کی کتاب السحب الوابلة علی ضرائح الحنابلة کا مخطوطہ جس میں انھوں نے علمائے دعوت کو نظر انداز کر دیا ہے اور مخالفین کی دعوت کی تائید کی ہے۔

[2] دیکھیے علماء نجد خلال ستة قرون:3/949.

گوشہ امن سے مالا مال ہے۔

مربد بن احمد کے سوانح کے آخر میں ابن بسام نے بتایا ہے کہ یہ حجاز سے اپنے شہر حریملاء واپس آئے تو اس پر امام محمد بن سعود کا قبضہ ہو چکا تھا، چنانچہ یہ وہاں سے نکل بھاگے اور جب شہر ''رغبہ'' پہنچے تو وہاں کے گورنر علی جریسی نے انھیں پکڑ کر قتل کر دیا۔ یہ 1171ھ کا واقعہ ہے۔[1]

⑧ ایسے ہی کچھ دوسرے علماء بھی ہیں جن کی نسبت یہ تو واضح نہیں کہ انھوں نے دعوت کو چیلنج کیا تھا، البتہ جن ملکوں میں یہ لوگ منتقل ہوئے، وہاں ان کا رجحان ومیلان دعوت کے مخالفین ہی کی طرف رہا جس طرح محمد بن علی بن سلوم فرضی ہیں جو اپنے استاذ محمد بن فیروز کی ہمدردی میں سدیر سے عراق کے شہر ''زبیر'' منتقل ہو گئے، وہیں ان کا اور ان کے دو صاحبزادوں عبدالرزاق اور عبداللطیف کا انتقال ہوا جو اپنے وقت کے مرجع الشیوخ اور بصرہ کے کبار علماء میں سے تھے۔

ابراہیم بن یوسف، انھوں نے دمشق میں تعلیم حاصل کی، وہیں سکونت اختیار کی۔ جامع اموی میں ان کا ایک علمی حلقہ تھا۔ وہیں پر اسرار حالات میں 1187ھ میں قتل کر دیے گئے۔

اسی طرح راشد بن خنین جو خرج سے نقل مکانی کر کے احساء آئے اور وہیں لاولد انتقال کر گئے۔[2] اس قبیل میں ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جن کا تذکرہ شیخ کے خطوط میں آیا ہے، جیسے: ابن اسماعیل، ابن ربیعہ، ابن مطلق، ابن عبداللطیف اور صالح بن عبداللہ وغیرہم۔

شیخ رحمہ اللہ کے جو خطوط ان کی دعوتِ حق کی وضاحت اور اس پر لگائی گئی تہمتوں اور افترا پردازیوں کی تردید کرتے ہیں، اُن کی تعداد 51 ہے جو ایک جلد میں چھپے ہوئے اور 323

---

[1] دیکھیے علماء نجد خلال ستة قرون: 950/3.

[2] ان سب کے سوانح السحب الوابلة علی ضرائح الحنابلة، وعلماء نجد خلال ستة قرون، و روضة الناظرین عن مآثر علماء نجد و حوادث السنین لمحمد بن عثمان القاضي میں دیکھیے۔

صفحات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جو شخص شیخ اور شیخ کی دعوت کی حقیقت سے آگہی کا آرزومند ہو، اس کے لیے یہ خطوط بہت مفید ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے دعوت کا مقابلہ کیا، ان میں بہت سے لوگوں پر جب اس دعوتِ عظمیٰ کی اصل حقیقت آشکار ہوئی تو ان کے سابقہ خیالات و معتقدات کا رخ پھر گیا اور انھوں نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کر کے سلفی دعوت کو گلے لگا لیا کیونکہ حق ہی لائق اتباع ہے۔

وہابی نام رکھنے کی اصل غرض وغایت

مسعود ندوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام کی دعوت کے خلاف نمایاں الزامات میں سے اس کا نام وہابی رکھنا ہے۔ خواہش پرستوں نے یہ نام رکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تحریک وہابیت اسلام سے خارج ایک مذہب ہے۔ انگریزوں، ترکوں اور مصریوں نے مل کر دعوت کو ایک ایسی بھیانک خیالی تصویر بنا دیا کہ گزشتہ دو صدیوں میں عالم اسلام میں جب بھی کوئی اسلامی تحریک اٹھی اور یورپ والوں نے اس سے اپنے مفادات کے لیے خطرہ محسوس کیا تو اس کا سرا نجدی وہابیت سے جوڑ دیا اگرچہ وہ تحریک اس کے خلاف ہی ہو۔ [1]

اسی طرح قطر میں محکمہ شرعیہ اولیٰ کے قاضی احمد بن حجر نے بعض پہلے متکلمین حنابلہ کی افترا پردازیوں کو شیخ محمد پر الزام تراشی سے جوڑا ہے کیونکہ مخالفین کا طریق کار ہی یہ ہے کہ وہ دوسروں کی حیثیت الزام لگا کر ہی گھٹاتے ہیں۔ اسی طرح سامراج بھی اسلامی تحریکوں کے خاتمے کے لیے اس اسلوب سے زیادہ مؤثر کوئی راستہ نہیں پاتا۔ شیخ احمد نے اپنی کتاب: ''نقض كلام المفترين الحنابلة السلفيين'' میں لکھا ہے:

> افترا پردازوں نے شیخ اور ان کے متبعین کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عزت نہیں کرتے بلکہ ان میں سے بعض کہتے ہیں: میری لاٹھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ہے، علماء اور بزرگوں کا ان کے ہاں کوئی مقام نہیں، شفاعت

[1] دیکھیے ان کی کتاب مذکور، ترجمہ عبدالعلیم بستوی، مراجعہ وتقدیم ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی، صفحہ:165۔

رسول اللہ ﷺ کا انکار کرتے ہیں، آپ ﷺ کی اور سارے مؤمنین کی قبروں کی زیارت کو حرام کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کے قائل نہیں، کتبِ ائمہ سے غفلت برتتے ہیں بلکہ انھیں جلا دیتے ہیں، ان کی تقلید جائز نہیں سمجھتے، کئی صدیوں کے پشتینی مسلمان جو ان جیسا اعتقاد نہیں رکھتے، ان سب کو کافر کہتے ہیں اور میلاد النبی ﷺ منانے کو حرام ٹھہراتے ہیں۔[1] وغیر ذلك من الخرافات.

اسی طرح کے اور دیگر بے حقیقت دعوے جبکہ ان کی طرف منسوب یہ ساری باتیں یکسر جھوٹی ہیں، ان کا صداقت سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ ان لوگوں کی کتابیں طبع ہو کر فروخت ہو رہی ہیں، تقسیم کی جا رہی ہیں، جو ان دعووں کا سفید جھوٹ جاننا چاہے، وہ ان کی کتابیں پڑھ لے۔[2]

یہیں سے وہابی لقب اور ان کے پانچویں مذہب ہونے کے پروپیگنڈے پر اصرار کا بھید کھل جاتا ہے کہ علمائے مراکش پہلے ہی اس رستمی، خارجی، اباضی وہابیت کی آگ میں جل چکے ہیں جو وہاں اٹھی اور جس کی بنیاد عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم نے دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی ہجری کے شروع میں رکھی تھی۔ ان علماء کے پاس وہابیت اور اس کے ماننے والوں کے مذہب کے متعلق فتوے موجود ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، چنانچہ یہ تو پہلے ہی کا ایک بنا بنایا تیار شدہ لبادہ تھا، دشمنانِ دعوت نے زیادہ زحمت نہیں اٹھائی، انھیں صرف اتنا کرنا پڑا کہ قدیم وہابیت کے تابوت سے یہ لبادہ نکالا اور اس نئی دعوت پر منڈھ دیا تاکہ اس سے لوگوں کو متنفر کیا جا سکے۔ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ دیارِ اسلام میں سامراجیوں کی ٹہل سیوا اور مطلب براری بدعتی لوگ ہی کرتے ہیں۔

رہے مفاد پرست علماء تو انھوں نے جو بے بنیاد باتیں کہیں، تہمتیں لگائیں اور انھی پر مضبوطی

---

[1] میلاد النبی ﷺ منانا اور میلاد پڑھنا جیسا کہ بعض لوگ بطور عبادت و تقرب کرتے ہیں، صریحاً بدعت ہے۔ دیکھیے شیخ اسماعیل انصاری کی کتاب القول الفصل في مولد خير الرسل ﷺ.

[2] نقض كلام المفترين الحنابلة السلفيين، ص: 57-101.

سے قائم رہے، ان کی نسبت یہ کہنا ہی کافی ہے کہ اصل حقائق کا بار بار اظہار و اعلان کیا جا چکا ہے۔ سچائی ثابت ہو چکی ہے جو ان کی تہمتوں اور الزامات کی نفی کرتی ہے۔ یقیناً ان کی کوئی صحیح اساس نہیں جن سے جھوٹی باتیں منسوب کی گئیں، وہ لوگ ان سے براءت ظاہر کرتے ہیں۔ اصل بات صرف اتنی ہے کہ خواہش نفس انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دعوت حق کے دشمنوں نے دجل وفریب سے کام لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں شیخ سلیمان بن عبدالوہاب اپنے برادر مکرم کی دعوت کی حقیقت سے بے خبر تھے۔ اور یہ انھی پر موقوف نہیں، شیخ محمد رحمہ اللہ کی دعوت سے ابتدائے کار میں نجد اور بیرون نجد بہت سے لوگوں کو بربنائے غلط فہمی اچنبھا ہوا لیکن جب ان پر دعوتِ حق کی صداقت واضح ہو گئی تو وہ راہِ رشد و ہدایت پر آگئے اور شیخ رحمہ اللہ کی دعوت کی پر جوش تائید کرنے لگے۔ انھی لوگوں میں شیخ سلیمان بھی شامل ہیں، جونہی ان کی غلط فہمیاں دور ہوئیں، وہ سلفی دعوت کے پر جوش حامی بن گئے۔ لیکن مخالفین نے ان کے سابقہ دور سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور دو رسالے "الصواعق الإلٰهية في الرد على الوهابية" اور "فصل الخطاب في الرد على محمد بن عبدالوهاب" لکھ کر انھیں سلیمان سے منسوب کر دیا جبکہ معاملے کی چھان بین کرنے والے عارفانِ حقیقت اس اختلاف کا انکار کرتے ہیں۔ معاندینِ دعوت اپنے باطل دعووں میں زور پیدا کرنے اور لوگوں کو راہ حق سے دور کرنے کی غرض سے شیخ سلیمان کا نام اچھالتے ہیں کہ دیکھو شیخ محمد کے بھائی سلیمان جو لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے قریب ہیں، انھوں نے بھی شیخ کی مذمت کی ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ انھوں نے ان کی موافقت کی ہے۔ یوں ان تالیفات کے جھوٹی اور بے بنیاد ہونے اور سلیمان کی طرف ان کی نسبت صحیح نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ وہابی لقب رکھنے کی چال ابراہیم پاشا کے زیر قیادت نجد پر ترکی مصری حملوں کے وقت اور شیخ محمد کی وفات کے بیس سال سے زیادہ عرصے کے بعد بلکہ

سلیمان کے انتقال کے بعد چلی گئی، اس لیے ''نیبر'' نے جو شیخ کا یورپین معاصر ہے، سرے سے وہابیت کی اصطلاح ہی استعمال نہیں کی۔ اس پر علامہ مسعود ندوی نے لکھا ہے: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہابیت کی اصطلاح اس وقت تک معروف ہی نہیں تھی بلکہ وہ شیخ کی دعوت کا نام ''دین جدید'' New Religion رکھتا ہے جبکہ وہی آخر میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی نئی تحریک کو ''محمدیہ'' سے تعبیر کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہابی اصطلاح کا تذکرہ ''برک ہارٹ'' کے ہاں آیا ہے جو محمد علی کے قبضے کے بعد 1229ھ میں حجاز آیا جیسا کہ جبرتی کی تاریخ میں اس کا بیان ہے۔[1] اسی طرح یہ بات سیڈلیر کے سفرنامے میں بھی آئی ہے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر سلیمان بن عبدالوہاب بھی اپنے بھائی کی تردید کرنے والوں میں ہوتے اور انھوں نے دعوت کا مقابلہ کیا ہوتا تو ان کا نام جوابات میں بار بار آتا اور جن لوگوں نے دعوت کا اگرچہ تھوڑی دیر ہی مقابلہ کیا، ان کے نام کی طرح ان کا بھی تذکرہ آتا کیونکہ مناظرہ اور بحث ومباحثہ برابر چلتا رہا پس اختلافِ مذکور صرف ایک لباس ہے جو سلیمان کا نہ ہوتے ہوئے بھی انھیں پہنا دیا گیا جس طرح دعوت حق کو ''وہابیت'' جیسی اصطلاح سے موسوم کیا گیا، حالانکہ اس رسمی وہابیت سے دعوت حق کا کوئی دور کا بھی ربط نہیں کیونکہ شیخ محمد کی دعوت اور خارجی رسمی وہابیت کے مابین، اعتقاد، مشتملات ومفہوم، علاقہ، کیفیت اور دلیل شرعی سے طرز استدلال غرضیکہ ہر اعتبار سے یکسر بیگانگی پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اختلاف کے سلسلے میں سلیمان کا کوئی تذکرہ ہی نہیں آیا، چنانچہ اختلاف سے ان کی کامل براءت ثابت ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رسمی وہابیت اہل سنت والجماعت سے اعتقاد وعمل کے ہر گوشے میں یکسر مختلف ہے جیسا کہ ان کے حالات کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے، اِدھر شیخ محمد رحمہ اللہ کا اعلان واعتقاد یہ ہے کہ وہ متبع ہیں، کسی نئے مذہب کے موجد نہیں۔

---

[1] دیکھیے محمد بن عبدالوہاب ایک بدنام اور مظلوم مصلح، ص: 168،167.

مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق چلتے ہیں اور اپنے خیال کو صحیح دلیل اللہ کی کتاب، اس کے رسول مصطفیٰ ﷺ کی سنت اور صدیوں کے فضیلت والے سلف صالحین کے منہج سے مستحکم کرتے ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ کا یہ اعتقاد و اعلان ان کے تمام رسالوں، کتابوں حتیٰ کہ ان کی ساری اولاد اور شاگردوں تک کی کتابوں میں گونج رہا ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ سلیمان بن عبدالوہاب کی اپنے بھائی سے مخالفت شیخ محمد کے ابتدائی دور میں تھی۔ اس وقت سوال جواب کا سلسلہ زبانی گفتگو اور معمولی خط کتابت سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ ابن غنام، جنھوں نے اپنی تاریخ میں یہ احوال لکھے ہیں، ان دونوں کے معاصر ہیں اور ان دونوں کے تھوڑے ہی عرصے بعد ان کا انتقال ہوا، انھوں نے اس طرح کی کسی مخالفت کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا جبکہ انھوں نے شیخ کے دوسرے مخالفین کا تذکرہ کیا ہے۔

اس معاملے پر اس زاویے سے بھی غور کیجیے کہ لفظ ''وہابیت'' کی نسبت دونوں کے والد کی طرف ہے اور یہ ممکن نہیں کہ سب سے پہلے اس لفظ کا اطلاق سلیمان نے کیا ہو کیونکہ اول تو انھوں نے اپنے والد کی کسی لحاظ سے بھی تردید نہیں کی، دوسرا انھیں معلوم تھا کہ یہ نسبت غلط ہے کیونکہ یہ تو ایک چیز کی نسبت اصل کے بجائے اس سے بالکل مختلف دوسری چیز کی طرف ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ کسی مکی کو کہیں کہ وہ مدنی ہے، کسی مراکشی کو کہیں کہ وہ ہندی ہے۔ اگر بالفرض آپ یہ نسبت دے بھی دیں تو دونوں، یعنی تردید کرنے والا (سلیمان) اور جس کی تردید کی گئی ہے (عبدالوہاب) اس نسبت میں شریک ہوں گے۔ اگر مذکورہ کتابیں واقعی سلیمان بن عبدالوہاب کی ہوتیں اور انھوں نے واقعی تحریکی سطح پر اپنے بھائی کی مخالفت کی ہوتی تو وہ اس حیلے میں ہرگز نہ پڑتے۔

پانچویں دلیل قابل توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ دعوت کے معاصر مؤرخین یورپین اور غیر یورپین سبھی اہل قلم سلفی دعوت کو ''نئی دعوت'' لکھتے ہیں جیسے ''نیبئر'' گزرا ہے۔ وہ دعوت کا معاصر ہے

اور احساء تک پہنچا تھا۔ وہ کبھی دعوت کا نام محمد بن عبدالوہاب کی طرف نسبت کر کے ''محمدیہ'' رکھتا ہے اور کبھی اسے ''نئی دعوت'' کے نام سے موسوم کرتا ہے اور یہ دونوں نام عوام کو متنفر کرنے اور بھڑکانے کا مقصد ہرگز پورا نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح ''برک ہارٹ'' ہے۔ وہ 1229ھ میں حجاز پہنچا، محمد علی سے ملاقات کی۔ اس نے دعوت کے اعتقادی درجے اور ملاوٹوں سے محفوظ ہونے کی تعریف کی۔ اس نے اپنے سفرنامے میں دعوت کے مخالفین پر شدید تنقید کی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اشتعال انگیزی، لشکرکشی اور اس دعوت کے خلاف حملے کے جواز کو قانونی حیثیت دینے کے لیے یہ لقب ایجاد کیا گیا۔ یقیناً اس لقب کی جڑیں جذبات بھڑکانے اور جوش دلانے پر قادر ہیں۔

اسی لیے اس لقب کو شائع کرنے سے پہلے لوگوں پر طرح طرح کے ٹیکس لگائے گئے اور بقول جبرتی: لوگوں سے ''خوارج'' کے خلاف جنگ کرنے کے لیے چندوں کی اپیلیں کی گئیں اور انھیں بتایا گیا کہ اباضی وہابیت جو خوارج کا ایک فرقہ ہے، دوبارہ ظاہر ہوگئی ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص تھوڑا بہت چندہ ضرور دے۔

یہی سب سے اہم سبب تھا جس کے لیے تاریخ کے بوسیدہ اوراق سے یہ پرانا لفظ کھینچ نکالا گیا۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ دونوں کتابیں جو سلیمان بن عبدالوہاب کی طرف گمراہ کن طور پر منسوب کر دی گئی ہیں، وہ ان کی وفات کے ایک عرصے بعد لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح اس زمانے میں ''ہمفر'' کی ڈائری کے نام سے ایک چیز ایجاد کی گئی۔ اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ برطانیہ کا جاسوس تھا اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے اس کے تعلقات تھے، حالانکہ اس لغو اور بے بنیاد دعوے کی کوئی حقیقت نہیں، نہ اب سے پہلے کبھی ایسے کسی شخص کا نام سنا گیا۔ یہ ایسے دعوے ہیں جن کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں، نہ کسی دلیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جھوٹ کی تو ویسے بھی کوئی حد نہیں ہوتی۔

دشمنان اسلام ہمیشہ اسی طرح کے فتنے اٹھاتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کے افکار منتشر ہوں، فتنوں کو حرکت دی جاسکے اور ہر مخلص داعی پر اعتماد ختم کر دیا جائے۔ موجودہ دور کی صحافت اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ اس میں آئے دن اسی طرح کے بھڑکانے والے نت نئے اکاذیب اور فتنے اچھالے جاتے ہیں اور بہت سے ملکوں کو بدنام کیا جاتا ہے، محض اس وجہ سے کہ ان کا طریقۂ کار دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔

ملاوٹوں سے پاک صاف شفاف دین جب بھی ظاہر ہوتا ہے، وہ لوگوں کے دل و دماغ پر اثرانداز ہوکر انھیں پاکیزہ بناتا ہے، اس لیے لوگ اس سے غیر معمولی طور پر متاثر ہونے لگتے ہیں۔ اور معاشرہ ان غلط اور تباہ کن آمیزشوں سے پاک ہوتا ہے جو اسلام میں ملا دی گئی ہیں کیونکہ طرح طرح کی خرافات اور بدعتوں سے پاک دین سے لوگوں کے دل جڑنے لگتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے فدائی بن جاتے ہیں، اسی لیے اسلام کے دشمن مشتعل ہوتے ہیں اور اپنے ایجنٹوں کو حرکت میں لاتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے دور کر دیں جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ جونہی فلسطینیوں نے انتفاضہ شروع کیا اور پتھر برسانے لگے تو یہودی جہاد کی دعوت سے گھبرا اٹھے۔ جب چھوٹے چھوٹے بچے جہاد کا نعرہ لگانے لگے اور اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں تو یہودی میڈیا نے یہ مشہور کیا کہ یہ کیمونسٹ بغاوت ہے تاکہ اس اسلامی رجحان سے مسلمانوں کی توجہ پھیر دی جائے جس سے یہودی خائف ہیں۔ حاضر کو ماضی سے کس قدر مشابہت ہے!

اس کی مثالیں آپ کو ہر دور اور ہر مقام پر بہت ملیں گی، جیسے وتری ہے۔ یہ شخص 1261ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا۔ اس نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے "مراکش میں سلفی وہابیت کا مقدمہ" استاذ احمد عماری، جنھوں نے اس رسالے کی تحقیق کی ہے اور اپنی تحقیق کے بعد چند سوالات قائم کیے ہیں۔ وہ سوال کرتا ہے: کیا اپنے اس مقدمے سے وتری کا مقصد مغرب میں

سلفی وہابیت کا تعاقب کرنا ہے جس طرح اس نے مشرق میں اس کا تعاقب کیا اور ان اشاروں کے مطابق کیا جو اس کے رسالے میں آئے ہیں؟ وہ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف سلطان ترکی اور والیٔ مصر کی بے جا طرف داری کیوں کرتا ہے؟ کیا وہ سلفیت کے مقابلے پر صوفیت کے لیے غیر معمولی متشدد ہے یا اس زیادتی کے در پردہ کچھ دوسرے امور کارفرما ہیں؟ ہم کوشش کریں گے کہ ان سوالات کا جواب ان اسباب کو پیش نظر رکھ کر دیں جن کے باعث وتری نے اپنا رسالہ لکھا۔[1]

وتری جیسے لوگ 1225ھ میں امام سعود بن عبدالعزیز کا خط پہنچنے کے بعد اہل مراکش کی سلفی دعوت سے دلچسپی سے متاثر ہوئے، چنانچہ مولائی سلیمان علوی نے سید حمدون بن الحاج فاسی ادیب کو خط کا جواب دینے کی ذمہ داری سونپی۔ انھوں نے جواب کے ساتھ ابن سعود کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی بھیجا۔ ابوعبداللہ محمد کنسوس نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ حمدون بن الحاج نے ابن سعود کو شاہ سلیمان کے حکم سے جواب لکھا اور ان کی تعریف کی۔ پھر محقق نے سعود کی تعریف میں کہے گئے اس قصیدے کے چند اشعار نقل کیے:

إِنْ قُمْتَ فِينَا بِأَمْرٍ لَمْ يَقُمْ أَحَدٌ
بِهِ فَجُوزِيتَ مَا يُجْزَاهُ ذُو نِعَمِ

بِقَطْعِ أَهْلِ الْحُرُوبِ بِالْحِجَازِ بِأَنْ
يُقْتَلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا بِلَاوَهْمِ

أَوْ أَنْ تُقْطَعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ
عَنِ الْخِلَافِ أَوْ أَنْ يُنْفَوا مِنْ أَرْضِهِمْ

---

[1] فاس میں کلیۃ الآداب کے شعبہ تاریخ کے میگزین 1406ھ بمطابق 1985ء کے خاص شمارے میں محقق مذکور کا صفحہ: 4 دیکھیے، یہ تحقیق صفحہ 46 میں ہے، محقق نے مراکش میں سلفیت کا انصاف کے ساتھ دفاع کیا ہے۔

حَتّٰى جَرَى الْمَاءُ فِي بِلَادِ الْحِجَازِ بِأَنْ
طَـلَـعَـتْ سَـعْـدُ سُـعُـودِ غَـيْـرُ مُـلْـتَـثِـمِ

لَا شَيْءٌ يَمْنَعُ مِنْ حَجٍّ وَعُمْرَةٍ
وَزَوْرَةٍ يُـكْـمِـلُ الْـمَـأْمُـولَ مِـنْ حَـرَمِ

إِذْ عَادَ دَرْبُ الْحِجَازِ الْيَوْمَ سَالِكُهُ
أَهْـنَـا وَآمَـنُ مِـنْ حَـمَـامَـةِ الْـحَـرَمِ

مُذْ لَاحَ فِيهِ سُعُودٌ مَّاحِيًا بِدَعًا
قَدْ أَحْدَثَتْهَا مُلُوكُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ

”آپ ہمارے ہاں ایسی مہم لے کر اٹھے جسے اور کوئی لے کر نہیں اٹھا۔ آپ کو وہی جزائے خیر دی جائے گی جو صاحب فضل و کرم کو دی جاتی ہے۔“

”حجاز میں ڈاکہ زنی اور غارت گری کرنے والوں کا قلع قمع کر کے، جن کی سزا یہ ہے کہ وہ بلا تردد قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا مخالف سمتوں سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔“

”سعود کا ستارہ روشن ہونے سے بلاد حجاز میں پانی کی نہریں بہنے لگیں۔ حج، عمرہ اور زیارت سے کوئی چیز مانع نہیں رہی، حرم سے وابستہ امید پوری ہوئی۔“

”آج حجاز کی گلی میں چلنے والا حرم کی کبوتری سے زیادہ پُر امن اور مبارک طور پر واپس آتا ہے کیونکہ وہاں عرب و عجم کے بادشاہوں کی ایجاد کردہ بدعتوں کو مٹانے والے سعود کا ظہور ہوا ہے۔“[1]

[1] فاس میں کلیۃ الآداب، شعبہ تاریخ کے میگزین، شمارہ خاص 1406ھ بمطابق 1985ء کی تحقیق صفحہ: 12، بعض اشعار کا وزن درست نہیں ہے۔

نزاع کے بعض نتائج

علاقہ عیینہ کا نام شیخ محمد کے نام کے ساتھ جڑ گیا ہے، یہیں ان کی پہلی صدائے دعوت گونجی۔ یہ ایک علمی قلعہ ہے۔ طالبان علم ومتلاشیان معرفت دور دور سے یہاں پہنچتے تھے، مشرقی جانب سے اس کے پڑوس میں ایک چھوٹا سا شہر ''جبیلہ'' واقع ہے۔ اب یہ دونوں علاقے مل کر ایک شہر بن چکے ہیں۔[1]

جبیلہ میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں پائی جاتی ہیں جو مرتدین کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ یہ جگہ معرکۂ یمامہ کے ان مورچوں میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کذاب کی ہلاکت کے بعد اپنے دین کو معزز و مستحکم کیا تھا۔ جہالت، درازیٔ زمانہ اور عقیدے کی کمزوری کے باعث لوگوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قبروں پر عمارتیں بنالی تھیں، زید بن خطاب اور دیگر صحابہ کی قبروں پر قبے قائم کر دیے تھے، ان کے لیے نذر و نیاز کی جانے لگی تھی، ان کے پاس جانوروں کی قربانیاں دی جانے لگی تھیں اور لوگ اللہ کو چھوڑ کر انھی قبروں کا رخ کرنے لگے تھے۔ قبروں پر مزار بنانے کا آغاز کس نے کیا؟ تاریخ بتاتی ہے کہ اس بدعت کی ابتدا جزیرہ نمائے عرب میں قرامطہ اور مراکش و مصر میں فاطمیوں کی حکومت نے کی۔

علماء یہ الم انگیز صورت حال دیکھتے رہے مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی کیونکہ روحِ عقیدہ جو اس کی محرک ہے، وہی مردہ ہوگئی تھی بلکہ نوبت یہ آگئی تھی کہ جس علاقے میں ایسے

---

[1] یہ شہر ریاض سے 40 کلومیٹر کی دوری پر شمال مغرب میں واقع ہے۔

اولیاء نہیں پائے جاتے جن کی قبروں پر مزارات بنائے گئے ہوں تو لوگ ان کے بجائے کوئی اور چیز، جیسے درخت، پتھر، غار وغیرہ تلاش کرتے اور اسی سے وابستہ ہو جاتے تھے۔ جن علماء کو لوگوں کے عقیدہ و عمل میں خرابیوں اور ان کے شدید نقصان کا اندازہ تھا، وہ ...... ٹک ٹک دیدم ودم نہ کشیدم کے عالم میں تھے اور ان میں صحیح بات کہنے کی جرأت مفقود ہو گئی تھی۔ کوئی عوام سے خوف کھاتا تھا، کوئی حکومت سے ڈرتا تھا لیکن شیخ محمد رحمہ اللہ ایسے دیدہ ور تھے جنھوں نے طلبِ علم کے زمانے ہی میں اس ساری صورت حال کی سنگینی کا پوری طرح احساس و ادراک کر لیا۔ زمانے اور زندگی کے سیل بے اماں سے مقابلے کے لیے وہ دلیری سے تیاری کرتے رہے، اس مقصد کے لیے انھوں نے خود کو چھوٹی سی عمر ہی میں ضبط نفس کا عادی بنا لیا اور اس طرح کے حالات میں جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا جس چیز کی وضاحت ضروری ہوتی تو وہ اسے بے لاگ طور پر کھل کر بیان کرتے۔

① جب وہ عیینہ میں تعلیم پا رہے تھے، ان کے ایک استاذ کا معمول یہ تھا کہ جب درس شروع کرنے کا ارادہ کرتے تو چپکے سے دعا کرتے جس میں وہ زید بن خطاب سے مدد مانگتے، ٹھیک اسی وقت محمد بن عبدالوہاب بھی دھیمی آواز میں، جسے ان کے استاذ کے علاوہ کوئی اور نہ سنتا، اس استعانت کو مسترد کرتے اور انھیں متنبہ کرنے کے لیے کہتے: اللہ زید سے زیادہ قادر ہے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد استاذ نے یہ عادت چھوڑ دی۔ انھیں بلایا اور لوگوں کو دعوت دینے کا جو کام وہ کرنے چلے تھے، اس میں بردباری کے ساتھ نرمی کے برتاؤ کی نصیحت کی کیونکہ لوگ جس چیز کے عادی ہوتے ہیں، خواہ باطل ہی ہو، اسے بدلنے کے لیے بردباری اور شجاعت کے ساتھ علم کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

جب وہ مکہ میں زیرِ تعلیم تھے اور ایک شیخ کے حلقے میں بیٹھتے تھے تو وہ انھیں اور ان کی ذہانت کو حیرت و استحسان کی نظر سے دیکھتے تھے، یہ شیخ درس ختم ہونے کے بعد جب اپنی کرسی سے

اٹھتے تو کعبے کو پکارتے اور کہتے: یا کعبة اللّٰہ! ''اے اللہ کے گھر!'' یہ سن کر شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے نرمی سے اس اعتقادی غلطی کی طرف شیخ کی توجہ مبذول کرانی چاہی، ایک روز صبح سویرے طلبہ کے پہنچنے سے پہلے ان کے پاس آئے اور کہا: مجھے جو قرآن یاد ہے، اس میں سے کچھ آپ کو پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں، شیخ نے اس کا خیر مقدم کیا، چنانچہ انھوں نے سورۂ قریش پڑھی، جب آیت: ﴿ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ﴾ ''پر پہنچے تو اسے فَلْيَعْبُدُوا هَٰذَا الْبَيْتَ پڑھا، شیخ نے ٹوکا اور غلطی کی نشاندہی کر کے اصلاح کی، لیکن انھوں نے اس آیت کو بدستور پہلے والی غلطی کے ساتھ متواتر تین بار پڑھا۔ شیخ نے انھیں کہا: تم ذہین ہو۔ بار بار غلط پڑھ رہے ہو، یہ درست نہیں، عبادت صرف اللہ کے لیے ہے، کسی گھر کی نہیں، اس پر انھوں نے کہا: شیخ میں معذرت خواہ ہوں، آپ ہی سے متأثر ہو گیا ہوں، شیخ نے تعجب سے پوچھا: کیا کہا تم نے؟ اس موقع پر محمد بن عبدالوہاب نے شیخ کو ان کا جملہ یاد دلایا، شیخ نے کہا: یہ غلط ہے۔ میں نے بغیر سوچے سمجھے دوسرے کی تقلید کی ہے، میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اور اس عادت کو ترک کر دیا، پھر ان سے کہا: آئندہ تمھاری ایک شان ہوگی لیکن صبر و تحمل کو لازم پکڑنا۔

② رہا عراق کے شہر ''زبیر'' کا معاملہ تو وہاں لوگوں نے انھیں تکلیف دی اور شہر بدر کر دیا کیونکہ انھوں نے لوگوں کو زبیر بن عوام، جن کے نام پر شہر کا نام پڑا تھا، کی قبر کا وسیلہ پکڑنے اور اسے ہاتھ لگانے سے منع کیا۔

شیخ محمد درعیہ میں اپنے شاگردوں کو توحید کا درس دیتے تھے، جب انھیں یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اس میں پختہ ہو گئے ہیں تو انھوں نے ان کا امتحان لینا چاہا۔ درس بعد نماز فجر ہوتا تھا شیخ محمد نے شروع درس ہی میں طلبہ سے کہا: میں نے کل رات شہر کے ایک محلے میں بڑا شور اور چیخ پکار سنی ہے، کیا ماجرا ہے؟ کیا تمھیں کچھ معلوم ہے؟ طلبہ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ ہم معلوم کر کے بتائیں گے کہ کیا بات ہوئی ہے۔ طلبہ نے بڑی توجہ سے چھان بین کی اور معلوم

کرنا چاہا کہ کیا واردات ہوئی ہے؟ ڈاکہ پڑا ہے، چوری ہوگئی ہے یا کسی کی آبرو ریزی ہوئی ہے؟ سب معلوم کر کر کے تھک گئے۔ کوئی بھید بھاؤ معلوم نہیں ہوا۔ اگلے دن شیخ نے طلبہ سے دریافت فرمایا: سناؤ بھئی! کچھ پتہ چلا کیا ہوا ہے؟ طلبہ نے عرض کیا: حضرت! ہمیں تو کچھ پتہ نہیں چلا، بہر حال جس شخص کی وجہ سے محلے کا سکون ختم ہوا اور شور مچا، اسے سخت سزا ملنی چاہیے۔ شیخ نے فرمایا: مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ کیا ماجرا ہے...... اب شیخ نے طلبہ کے دل کی حالت جاننے اور ان کا یقین وایمان پرکھنے کے لیے ایک ہلکی سی بات بنائی، فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ ایک عورت نے اپنے بیمار بچے کی نذر مانی تھی کہ یہ تندرست ہوجائے گا تو کالا مرغا ذبح کروں گی۔ بچہ صحت یاب ہوگیا۔ اس عورت نے اپنے شوہر کی مدد سے مرغا ذبح کرنا چاہا، مرغا پھڑ پھڑا رہا تھا۔ شوہر کے ہاتھوں سے اچانک نکل بھاگا۔ دونوں میاں بیوی گھروں کی چھتوں پر مرغے کا پیچھا کرتے رہے۔ بالآخر انھوں نے مرغے کو دبوچ لیا اور ''بسم اللہ'' پڑھے بغیر ذبح کر ڈالا۔ ایک جادوگر نے انھیں یہی طریقہ بتلایا تھا۔ اسی جادوگر کے نام پر انھوں نے مرغا ذبح کردیا۔

یہ بات سن کر طلبہ کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ شیخ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو فوراً کہا: تم لوگوں نے توحید پڑھی ہے مگر تم نے اسے سمجھا ہی نہیں۔ جب مسئلہ ایک ایسے جرم کا تھا جس پر شریعت نے حد مقرر کی ہے تو یہ معاملہ تمھارے نزدیک اہم تھا۔ اس کے لیے تم جوش میں آگئے اور سرگرمِ تحقیق ہوگئے۔ جب یہ مسئلہ عقیدے کے زمرے میں آیا تو تم ٹھنڈے پڑ گئے، حالانکہ پہلا مسئلہ ایک گناہ اور نافرمانی کا ہے جبکہ دوسرے مسئلے کا تعلق شرک سے ہے اور شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس جرم کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ اور اس کے سوا

جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''[1]

لہٰذا اب ہم دوبارہ از سر نو توحید کی تعلیم شروع کریں گے...... یہی وہ مرحلہ تھا جب شیخ محمد رحمہ اللہ کو کتاب التوحید لکھنے اور پھر اسے پڑھانے کا خیال آیا۔ شیخ محمد رحمہ اللہ کی دعوت کے نتیجے میں چند امور سامنے آئے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

بعض لوگ شیخ کی طرف منسوب بعض باتوں کی وضاحت کے خواہش مند تھے اور کچھ ان شبہات کے ازالے کے لیے شیخ سے براہ راست رجوع کرنا ضروری سمجھتے تھے جو ان کے بارے میں پھیلا دیے گئے تھے۔ ان سب لوگوں نے اصل حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے شیخ کو خطوط لکھے۔

شیخ رحمہ اللہ کے خطوط کا تذکرہ ہم سابقہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ ان خطوط میں شیخ کے زمانے کے ان طلبہ کا تذکرہ موجود ہے جنھوں نے شیخ کی دعوت حق کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پھیلائے۔ ان طلبہ کے ناموں اور احوال سے شیخ کو آگاہ کر دیا گیا۔ شیخ نے اس نوعیت کے تمام امور کی تسلی بخش وضاحت فرمائی جو ان کی دانش مندی کی دلیل ہے۔

رہے وہ علماء جو حقیقت تک پہنچنے کے خواہش مند ہیں تو شیخ کے نام ان کے خطوط فکر ونظر کی گہرائی اور بلیغ سوالات سے متصف ہیں، چنانچہ وہ لوگ شیخ پر ان کی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دلیل شرعی یا قابل فہم محسوس دلیل عقلی سے مدلل جواب کی روشنی میں حکم لگاتے ہیں اور جب حق ان پر واضح ہو جاتا ہے تو یہ لوگ اکثر وبیشتر اس کی پیروی کرتے ہیں اور شیخ کے خطوط ان کے لیے تعلیم اور ذہنی تربیت کا ذریعہ بن جاتے ہیں، جیسے: ''ثرمداء''[2] کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے رضا کار محمد بن عید اور یمن[3] کے

---

[1] النسآء 48:5.

[2] یہ شیخ کے رسائل میں تیسرا رسالہ ہے، صفحہ: 24-30، یہ آپ کے خطوط میں دوسرا خط ہے، صفحہ: 16-21۔

[3] یہ آپ کے خطوط میں چودھواں خط ہے، صفحہ: 94-98۔

"بکیلی" کے نام ان کا خط ہے، اسی طرح مجمعہ کے عالم عبداللہ بن سحیم کے نام [1] ان کے خطوط ہیں۔

رہے وہ حکام جن کا مقصد اللہ کے دین کا دفاع کرنا اور شیخ کے متعلق جو شکوک پیدا کیے جاتے ہیں، ان کا سدباب کرنا ہے، وہ حصول مقصد کے لیے مناظرے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ مناظرہ اس سے کیا جاتا ہے جس میں حق واضح ہونے کے بعد قبولِ حق کی استعداد ہو جیسا کہ اس دعوت کے سلسلے میں علمائے مکہ کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔ اس کے بعد علمائے مکہ اور علمائے درعیہ کے مابین، جن میں شیخ محمد بن معمر اور شیخ عبدالعزیز حصین نمایاں ہیں، مناظرہ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علمائے مکہ سلفی دعوت کے منہج کی سلامتی اور راست روی پر پوری طرح مطمئن ہو گئے۔ [2] یہی صورت حال مراکش کے حکام کو بھی پیش آئی۔ شیخ محمد رحمہ اللہ نے اہل مراکش [3] کو یکے بعد دیگرے دو خطوط لکھے۔ اس سلسلے میں ابو العباس ناصری نے اپنی تاریخی کتاب "الاستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصى" میں لکھا ہے: اس عرصے میں جزیرہ نمائے عرب میں ظاہر ہونے والے، حرمین شریفین پر قبضہ کرنے والے اور اپنے مذہب کو جزیرہ نمائے عرب سے فاس محفوظ میں خط کے ذریعے شائع کرنے والے عبداللہ بن سعود وہابی کا مکتوب [4] بھی پہنچا کیونکہ ابن سعود نے جب حرمین پر قبضہ کیا تو بیرونی ممالک عراق، شام، مصر اور مراکش وغیرہ کے اکابر کی طرف خطوط بھیجے اور لوگوں سے اپنے مذہب کی پیروی کرنے اور اصلاحی دعوت اختیار کرنے کی اپیل کی۔...... پھر مؤلف نے شک میں ڈال دیا کہ آیا اصل خط تیونس لکھا گیا، وہاں سے اس کے مفتی نے ایک نسخہ فاس بھیجا یا وہ قصداً شاہ مولائی

---

[1] بطور مثال دیکھیے خط: 11، صفحہ: 72-76 اور خط: 20، صفحہ: 130-141۔

[2] دیکھیے "البیان المفید فیما اتفق علیه علماء مكة و نجد من عقائد التوحید، طبع اول: 1244ھ۔

[3] یہ آپ کے خطوط میں سترھواں ہے، صفحہ: 110-115۔

[4] شاید یہ خط سعود بن عبدالعزیز کا تھا۔

سلیمان علوی کو بھیجا گیا، لیکن اس کا ایک نسخہ علمائے تیونس کے ذریعے تیونس پہنچا۔[1] بطور وضاحت عرض ہے کہ یہ خط امام سعود بن عبدالعزیز نے 1220ھ میں مدینے پر قبضہ کرنے کے بعد بھیجا کیونکہ شیخ محمد رحمہ اللہ 1206ھ میں انتقال کر چکے تھے۔ مراکش میں وہابیت کے متعلق جرمنی زبان میں ایک مستشرق کے مقالے میں 1935ء میں شائع ہونے والے جریدے (اسلامیکا Islamika) کے شمارۂ اولیٰ، جلد: 7 میں یہ مکتوب عربی میں شائع ہوا ہے۔ یہ خط تین صفحے کا ہے۔ اس میں حقیقت توحید اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوتِ حق کے اساسی پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے۔[2]

ان علوی حکام مراکش کے یہاں اسی خط کی صدائے بازگشت گونج رہی تھی جن کی حکومت نصاریٰ سے نبرد آزما ہوئی اور مراکش کو ترقی دینے کے لیے 1041ھ بمطابق 1631ء میں قائم ہوئی۔[3] ناصری کہتے ہیں: 1226ھ میں شاہ مولائی سلیمان رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے استاذ مولیٰ ابو اسحاق ابراہیم بن سلیمان کو حج کے لیے قافلہ نبوی کے ساتھ حجاز بھیجا۔ یہ قافلہ فاس سے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ نکلا کرتا تھا۔ سلاطینِ مملکت اس پر خاص توجہ دیتے تھے۔ مصر و شام وغیرہ کے قافلوں کی طرح، اس کے لیے بھی علماء، اعیان، تجار، قاضی اور امیر قافلہ وغیرہ مختلف اقسام کے لوگ منتخب کیے جاتے تھے۔ شاہ نے اپنے صاحبزادے مذکور کو علمائے مراکش اور جملہ چیدہ حضرات، جیسے: فقیہ علامہ قاضی ابوالفضل عباس بن کیران، فقیہ شریف برکت المولیٰ امین بن جعفر حسنی، معروف فقیہ علامہ ابوعبداللہ محمد عربی

---

[1] دیکھیے الاستقصاء: 8/119،120۔

[2] دیکھیے میگزین مذکور، اس مکتوب کے سلسلے میں مستشرق نے دعوت کی صورت بگاڑتے ہوئے، اس میں جو دلائل اور وضاحتیں پیش کی گئی ہیں، ان کے برخلاف تبصرہ کیا ہے۔

[3] دیکھیے المغرب الکبیر: 3/65،66، مؤلف الاستقصاء کا خیال ہے کہ علوی حکام مراکش کی حکومت کے قیام کا سال 1045ھ ہے، دیکھیے الاستقصاء: 7/15۔

سواحلی وغیرہم فضلائے مراکش کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا [1] یہاں تک کہ ناصری نے لکھا ہے: جب ابن سعود مولائی ابراہیم سے ملے تو ان سے معزز اہل بیت جیسی تعظیم کا برتاؤ کیا اور ان کے ساتھ اپنے ساتھی اور مصاحب کی طرح بیٹھے، ان سے گفتگو کی ذمے داری قاضی فقیہ ابو اسحاق ابراہیم زرعی نے انجام دی۔ من جملہ اور باتوں کے ابن سعود نے ان سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ ہم سنت محمدیہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ آپ نے ہمیں کس سنت کی مخالفت کرتے دیکھا ہے؟ اور ہم سے ملاقات سے پہلے آپ لوگوں نے ہمارے متعلق کیا سنا ہے؟ قاضی نے کہا: ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ لوگ استوائے ذاتی جو مستوی کی جسمیت کو لازم ہے، کے قائل ہیں، ابن سعود نے کہا: اللہ کی پناہ! ہم تو ٹھیک وہی بات کہتے ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ نے کہی ہے، یعنی استواء معلوم ہے، کیفیت نامعلوم ہے، اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ کیا اس میں کوئی مخالفت ہے؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں! اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں، پھر قاضی نے کہا: ہمیں یہ خبر بھی ملی ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی ان کی قبروں میں زندگی کے قائل نہیں۔" ابن سعود نے نبی ﷺ کا تذکرہ سنا تو ان پر کپکپی طاری ہوگئی۔ انھوں نے بآواز بلند درود وسلام پڑھا اور کہا: معاذ اللہ! ہم تو قبر میں نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی شہداء کی زندگی سے بھی بڑھ کر حیات کے قائل ہیں۔ پھر قاضی نے کہا: ہمیں یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ آپ قبرِ نبی ﷺ اور دیگر قبروں کی زیارت سے منع کرتے ہیں جبکہ قبروں کی زیارت ایسی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، جن کا انکار ممکن نہیں۔ ابن سعود نے کہا: معاذ اللہ! جو چیز شریعت میں ثابت ہے، اس کے انکار سے اللہ کی پناہ! ہم لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ لوگ زیارت کی کیفیت اور اس کے آداب سے واقف ہیں تو بتائیے کیا آپ کو اس سے روکا؟

---

[1] الاستقصاء لأخبار المغرب الأقصى: 120/8.

ہم تو صرف ان لوگوں کو اس سے روکتے ہیں جو عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور اپنی مرادیں مُردوں سے مانگتے ہیں جبکہ ہر طرح کی ضرورتیں اور مرادیں صرف رب ذوالجلال ہی پوری کرسکتا ہے۔

زیارت کا مقصد تو صرف مُردوں کے حالات سے نصیحت پکڑنا اور مردہ جس انجام کو پہنچا ہے، اس انجام کو یاد کرنا، پھر مردے کے لیے دعائے مغفرت کرنا اور بارگاہِ الٰہی میں اس سے شفاعت طلب کرنا اور اللہ تعالیٰ سے جو دینے اور نہ دینے کا تنہا مختار اور مالک ہے سوال کرنا ہے،[1] یہی ہمارے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے۔ جب عوام اس حقیقت کو سمجھنے سے بیگانے ہو گئے تو ذرائع شرک کے سدباب کے لیے ہم نے انھیں روک دیا۔ بتائیے ہمارے اس طرز عمل میں سنت کی مخالفت کہاں ہے؟ پھر فوجی کمانڈر نے کہا: یہ ہے وہ روداد جو شرکائے قافلہ نے سنائی۔ بعض افراد سے ہم نے یہ سرگزشت جماعتی شکل میں سنی، پھر باقی لوگوں سے فرداً فرداً پوچھا تو سب کی اطلاع ایک جیسی تھی۔[2]

پھر مؤلف نے لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں: مولائی سلطان سلیمان رحمہ اللہ کچھ اسی طرح کے خیالات رکھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنا مشہور رسالہ لکھا، جس میں تقاضائے وقت پر گفتگو کی ہے، سنت کی مخالفت اور بدعت میں غلو آمیزی پر تنبیہ کی ہے، زیارت اولیاء کے آداب

---

[1] یقیناً ابن سعود نے اس طرح نہیں کہا ہوگا لیکن خبروں کی مصیبت خبریں نقل کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ اس طرح کی بات کہنا یکسر ممنوع ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں مُردے سے شفاعت طلب کرنا منع ہے، خواہ اس سے دعا کرنے کی درخواست ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور شکل ہو کیونکہ اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ ہاں! تین ایسے اعمال ہیں جن کا ثواب جاری رہتا ہے: ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں یا نیک اولاد جو میت کے لیے دعا کرے یا کوئی صدقہ جاریہ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ مزید تحقیق اور وضاحت کے لیے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی کتاب آداب الزیارۃ کا مطالعہ کیا جائے۔

[2] الاستقصاء:122,121.

بیان کیے ہیں، عوام کو غلو پسندی سے ڈرایا ہے اور اس سلسلے میں مسلمانوں کو نصیحت کرنے میں شدت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ [1]

اصلاحِ عقائد سے شاہانِ مراکش کی دلچسپی کے باعث ہم نے دیکھا کہ ان میں اصلاحِ عقیدہ کا بڑا اہتمام پیدا ہو گیا۔ حکمت مومن کی متاعِ گم گشتہ ہے، جہاں بھی پائے اسے لے لے۔ اسی باعث وہ راستی وسچائی کی تلاش میں رہتے ہیں۔

① یہ سلطان سیدی محمد بن عبداللہ علوی ہیں۔ ان کے بارے میں فرانسیسی مؤرخ ''چارلی جولین'' نے اپنی کتاب ''تاریخ شمالی افریقہ'' میں جس کا عربی ترجمہ محمد مزالی اور بشیر بن سلامہ نے کیا ہے، لکھا ہے: سیدی محمد نہایت متقی اور پرہیز گار انسان ہیں۔ انھیں حاجیوں کے ذریعے جزیرہ نمائے عرب میں وہابی تحریک پھیلنے کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ جزیرہ نمائے عرب کا فرمانروا خاندان آلِ سعود اس تحریک کی تائید کر رہا ہے۔ وہ تحریک کی متانت کے دلدادہ تھے۔ ان کا قول ہے: ''میں مسلکاً مالکی اور عقیدۃً وہابی ہوں۔'' ان کی دینی غیرت نے ان سے بڑے اچھے کام لیے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے عہد کی وہ کتابیں جو اشعری مذہب کو جائز قرار دیتی ہیں، ان سے دینی معاملات میں تساہل پیدا ہوتا ہے، چنانچہ انھوں نے ان کتابوں کو تلف کرنے درگاہِ بوجاہ اور اس جیسی دوسری درگاہوں کو مسمار کرنے کا حکم جاری کیا۔ وہ 1204ھ میں وفات پا گئے۔ [2]

② شاہِ سلیمان نے جن کے مناظرے کا تذکرہ ہو چکا ہے، اس دعوت کو پسند کیا اور مراکش کی صورت حال کو صوفیت کے منحرف ''مربوطیہ'' [3] فرقے کا مقابلہ کر کے اپنے پیغام عام سے درست کرنے کی کوشش کی۔ ناصری نے ''الاستقصاء'' میں ان کی دینداری، سیرت،

---

[1] مرجع سابق: 123/8۔

[2] دیکھیے کتاب مذکور: 311/2، ان کی خبر وفات الاستقصاء: 65/8 میں دیکھیے۔

[3] دیکھیے انتشار دعوۃ الشیخ محمد: 238,237. ''مربوطیہ'' مراکش میں صوفیوں کا لقب ہے۔

اور بدعات وانحراف سے برسرپیکار رہنے کی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ 1238ھ میں وفات پا گئے۔[1]

③ شاہ حسن اول، انھوں نے 1300ھ میں صدی کو الوداع کہتے ہوئے مراکشی عوام کے نام ایک پیغام دیا جس میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے اور بدعات کا مقابلہ کرنے کی ضرورت پر زور اور حسنِ عقیدہ کی ترغیب دی جیسا کہ ڈاکٹر عباس جراری نے 1399ھ میں ریاض یونیورسٹی میں ایک لیکچر دیتے ہوئے بتایا کہ شاہِ حسن اول اس صدی کے ابتدائی برسوں میں مراکش کے ایک بہت بڑے عالم اور محدث کے سایۂ تربیت میں سلفی دعوت کی تعلیمات ومبادیات کے مطابق زندگی بسر کر چکے ہیں۔ ان کا نام شیخ ابوشعیب دکالی ہے۔ وہ مکے میں دس سال سے زیادہ عرصہ مقیم رہے۔ انھوں نے حرم مکی میں تدریس حدیث کی خدمت انجام دی، پھر مراکش واپس آئے۔ یہاں وہ چوتھائی صدی تک سلفی تحریک کی قیادت کرتے رہے۔ انھوں نے بڑی استقامت سے سلفی فکر کی دعوت دی اور طرح طرح کی بدعتوں اور گمراہیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔[2]

مزید برآں ہر جگہ مسلمانوں نے سلفی دعوت کا خیر مقدم کیا۔ طالبانِ علم نے مقصد کی سچائی کی جستجو کی۔ جن بدعات وخرافات کو علمائے اسلام نے ہر جگہ مسترد کیا ہے، ان کی بیخ کنی کی۔ ہر جگہ لوگ صرف اسی چیز سے مطمئن ہوتے ہیں جو صاف اور مدلل ہو، ان پر یہ حقیقت کھل گئی کہ محمد بن عبدالوہاب دیگر داعیوں اور مصلحین کی طرح تجدید دعوت کے لیے اٹھے ہیں، وہ ادائے امانت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ امتِ مسلمہ کے بڑے خیر خواہ ہیں، عقیدے کو اس خرابی سے پاک کرتے ہیں جو جہالت کے نتیجے میں اس میں ٹھونس دی گئی ہے۔ وہ لوگوں کے

---

[1] دیکھیے الاستقصاء: 8/164-166.

[2] ان کا رسالہ مذکورہ دیکھنا مطلوب ہو تو الترجمانة الكبرىٰ، ص: 466-470 کی طرف رجوع کیا جائے۔

عقیدہ وعمل کو، عہدِ رسول اللہ ﷺ سے لے کر تیرھویں صدی کے آخر تک کے منہج سلف صالح کا آئینہ دار دیکھنے کے آرزومند ہیں کیونکہ دوسری قوموں کے غلبے کے نتیجے میں، اعتقادات میں دیگر قوموں کے افکار وثقافتی اثرات اور ادائے امانت میں علماء کی سستی کی وجہ سے ملت اسلامیہ میں بدعتیں گھس گئی ہیں۔ فاطمی حکومت جس کا چوتھی صدی ہجری میں اہل مراکش نے مقابلہ کیا، اسلامی معاشرے میں بدعات کا آغاز کرنے والی شمار کی جاتی ہے۔ فاطمی حکام کی بدکرداریوں کو ابن عذاری مراکشی نے اپنی تاریخ البیان المغرب في التاريخ الأندلس والمغرب میں واضح کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ لوگ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نسل سے نہیں ہیں بلکہ ان کا سلسلۂ نسب یہودیوں سے ملتا ہے۔ فی الحقیقت یہ لوگ حرام اصل سے ہیں اور دھوپ چھاؤں کی اولاد ہیں۔ ان کا تعلق ابن حلاج سے ہے۔ اسی سے انھوں نے اپنا عقیدہ لیا ہے۔ [1]

[1] فاطمیوں کا نسب ابن عذاری کی البیان المغرب......: 159،158/1 میں دیکھیے۔

تحقیق شرطِ لازم ہے

فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اصل ''براءتِ ذمہ'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت ہر انسان ذمے سے بری ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر کوئی ذمے داری نہ ڈالے۔ دورِ حاضر میں ماہرین قانون کی مقررہ اصطلاح ہے کہ ملزم کا جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے، وہ بری مانا جائے گا۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر صحیح ترین بات یہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَتَبَيَّنُوٓا أَن تُصِيبُوا قَوْمًۢا بِجَهَٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَٰدِمِينَ ۝﴾

''تم اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔''[1]

ہر طالب علم کا فرض ہے کہ تحقیق و تفتیش کے بغیر کوئی بات باور نہ کرے کیونکہ عالم کی لغزش بہت بڑی مانی جاتی ہے اور اس کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ اگر صاحب علم خواہشات کے غلاموں کی پیروی کرنے لگے تو اس کی حیثیت داغ دار ہو جاتی ہے، اس کی عدالت مجروح ہو جاتی ہے، ایک اثر منقول ہے: اگر کوئی ایسا مدعی بھی آئے کہ اس کی ایک آنکھ پھوٹی ہو تو اس کے حق میں فیصلہ نہ دو کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے مدعیٰ علیہ کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی ہوں۔ یہ اس لیے کہ خیال، اعتقاد یا حقوق میں نزاع فریقین میں مشترک ہوتا ہے، لہٰذا دوسرے فریق کو چھوڑ کر یکطرفہ فیصلہ کرنا صحیح نہ ہوگا ورنہ فیصلے میں جانبداری ہو جائے گی۔ فیصلہ صادر کرنا گویا انصاف کرنا ہے، اس لیے اس کی حقیقت معلوم کرنا اور اس کے نتیجے پر

[1] الحجرات 6:49.

غور وفکر کرنا ضروری ہے تاکہ ظلم نہ ہونے پائے۔ درحقیقت اسلام میں ہمارا منہج زبانوں کو لغزشوں اور اعمال کو غلطی سے محفوظ رکھنا ہے۔ اور اس حفاظت کا تنہا طریقہ ہر معاملے کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں جانچنا ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾

''اگر کسی امر میں اختلاف رائے واقع ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''[1]

اور امر حق ہی اتباع کے لائق ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں معاف کرنے میں غلطی کر بیٹھوں تو یہ غلطی سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ ارشاد اس لیے فرمایا کہ آپ اسلامی معاشرے میں انفرادی واجتماعی سطح پر الفت ومحبت پیدا کرنے کے خواہش مند تھے۔

اصطلاحاً ''وہابی'' نام رکھنا، نسبت واعتقاد کے لحاظ سے اسی طرح غلط ہے جس طرح شیخ محمد اور ان کے متبعین کی طرف منسوب نظریات غلط تھے اور ان لوگوں نے اس سے براءت ظاہر کی ہے۔ سلفی عقیدے کے متلاشی دین اسلام کے دونوں سرچشموں: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کا مقصد زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، اس لیے یہ لقب ان لوگوں کے لیے ناگوار خاطر نہیں ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جس لقب سے انھیں ملقب کیا گیا ہے، وہ محض ایک بہتان ہے جو بحث ومناظرے میں ثابت نہیں رہ سکتا۔ یہ لوگ اس روشن راہ کے راہی ہیں جس پر سیدنا رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو چھوڑا جس کی رات بھی دن کی طرح ہے، ہلاک ہونے والا ہی اس راہ سے بھٹکے گا، یہ راہ آپ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر سے صحت وسند پر اطمینان کے بعد اختیار کی گئی ہے۔

یہ عمران بن رضوان ہیں، جو بیرون جزیرہ کے مسلمانوں اور اپنے شہر ......لنجہ...... کے علماء

[1] النسآء 4:59.

میں سے ہیں۔ جب انھیں یہ دعوت پہنچی اور اس کی سچائی پر انھیں یقین ہو گیا تو ایک قصیدے میں اس کی مدح سرائی کی جس میں ذیل کا شعر بھی آیا ہے:[1]

إِنْ كَانَ تَابِعُ أَحْمَدَ مُتَوَهِّبًا

فَأَنَا الْمُقِرُّ بِأَنَّنِي وَهَّابِيٌّ

''اگر احمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرنے والا وہابی ہے تو مجھے اپنے وہابی ہونے کا اعتراف ہے۔''

اور یہ شعر انھوں نے صرف اس لیے کہا ہے کہ ''وہابی'' کا لقب بقول عالم عراق محمد بہجت اثری دشمنانِ اسلام کی خواہش پر رکھا گیا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کا خیال تھا کہ عالم اسلام ایک بے جان ڈھانچہ ہو گیا ہے، یقیناً سامراجی طاقتیں اس کی سرزمین، خزانوں، کانوں اور دیگر قدرتی وسائل پر قابض ہو جائیں گی، پس اس نئی دعوت کو جس کی گونج وسطِ جزیرہ نمائے عرب سے مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور انھیں ہلاکتوں سے بچانے کے لیے اٹھی تھی، ایک فرقے کی شکل میں پیش کیا گیا تاکہ فرقوں کی تعداد میں ایک اور اضافہ ہو جائے۔ اسی لیے اسے ''وہابیت'' کا لقب دیا گیا اور شہرت یافتہ ذرائع ابلاغ نے اس لقب کی اشاعت کی جس سے یہ لقب لوگوں میں زبان زدِ عام ہو گیا۔ حکومت عثمانیہ کو بھی یہ لقب بھلا لگا، چنانچہ اس نے اسے درویشوں اور شاہی خاندان کی درگاہوں اور خانقاہوں کے دسترخوان پر پلنے والوں کی زبان پر چالو کر دیا اور اس پر شبہات ڈالنے اور اس کی صورت مسخ کرنے میں بڑھ چڑھ کر کام کیا، بالخصوص اُس وقت جب اس کی اہمیت بڑھ گئی اور اس کی بنیاد پر جزیرہ نمائے عرب میں مضبوط عربی اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔[2]

---

[1] موصوف ایران میں شہر ''نجبہ'' کے علماء و معززین میں سے تھے۔

[2] دیکھیے محمد بن عبدالوهاب داعية التوحيد و التجديد في العصر الحديث ''عصر حاضر میں توحید و تجدید کے داعی محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، ص: 16، 17۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے آخر میں دو خطوط کا تذکرہ کردوں:

ایک شیخ محمد بن عبدالوہاب کا اہل قصیم کے نام خط اور دوسرا وہ خط جو شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے علمائے مجمعہ میں سے تین کے نام بھیجا تھا، مگر یہاں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ان دونوں خطوں کی تاریخ واضح نہیں ہے۔

اس خط میں شیخ محمد سلفی دعوت کے سلسلے میں اپنا منہج واضح کرتے ہیں۔ جب میں شعبان 1407ھ میں موریتانیا گیا تو وہاں کے بعض علماء نے افادۂ عام کے لیے ان دونوں خطوں کا اضافہ کرنے کی درخواست کی تاکہ پڑھنے والے خود اپنی بصیرت کی روشنی میں حقیقتِ حال جان لیں اور صحیح نتیجے تک پہنچ سکیں۔

چنانچہ ان دونوں خطوں کو میں نے اس کتاب کا ضمیمہ بنادیا ہے۔ میرا مقصد صرف اصلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ میں اسی سے توفیق کا طالب ہوں۔

ضمیمہ

شیخ محمد رحمہ اللہ کے خطوط کے مطالعے سے پہلے یہاں شیخ کے ایک خط کی وضاحت ضروری ہے تاکہ قارئین کرام پر اصل حقیقت روشن ہوجائے۔ یہ خط اہل قصیم کے نام ہے۔ ان لوگوں نے شیخ محمد سے ان کا عقیدہ دریافت کیا تھا تو اس استفسار کے جواب میں شیخ نے یہ مکتوب ارسال کیا۔ اسے اہل قصیم نے مقامی علمائے کرام کی خدمت میں ان کی رائے جاننے کے لیے پیش کردیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مقامی علمائے کرام شیخ محمد کی دعوت کی تائید کردیں گے تو وہ اسے قبول کرلیں گے، بصورت دیگر کنارہ کش رہیں گے۔

چنانچہ علمائے کرام نے شیخ کے خط کا بڑی احتیاط اور باریک بینی سے مطالعہ کیا اور شیخ محمد کی نسبت اعلان کردیا کہ وہ راہِ صواب پر ہیں۔ اس جانچ پرکھ اور تحقیق و تفتیش کے بعد اہل قصیم نے شیخ کی دعوت حق قبول کرلی۔ راہِ حق کے مسافروں کا یہی طریقہ ہونا چاہیے۔ یہی شان اور ذمے داری علمائے کرام کی بھی ہے کہ وہ معاملے کو علم و بصیرت اور دلیل و برہان کی روشنی میں دیکھیں اور ملامت گر کی ملامت سے بے خوف ہوکر سچائی کا اعلان کردیں۔

اب شیخ کے مکتوب گرامی کا مطالعہ فرمائیے۔ شیخ کے دوسرے خطوط بھی اسی طرح کے ہیں جو استفسار کرنے والوں کے جواب میں لکھے گئے۔ جس نے جب کبھی اپنے شک وشبہے کا اظہار کیا اور شیخ سے سوال کرکے راہِ حق جاننی چاہی تو شیخ نے فوراً جوابِ باصواب مرحمت فرمایا جس کے نتیجے میں لوگوں پر حقیقتِ حال کھل گئی اور انھوں نے شیخ کی دعوت قبول کرلی۔ انھوں نے شیخ کے ہاں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہو یا ان معتبر مآخذ کے منافی ہو جن پر امت اسلامیہ کی بڑی شخصیات اعتقاد رکھتی ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ کا اہلِ قصیم کے نام خط

جب اہلِ قصیم نے شیخ سے ان کے عقیدے کے بارے میں دریافت کیا تو تحریر فرمایا:[1]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں اللہ کو، میرے پاس جو فرشتے حاضر ہیں انھیں اور آپ لوگوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں وہی اعتقاد رکھتا ہوں جو فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت عقیدہ رکھتا ہے، یعنی اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے پر اور اچھی یا بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں اور ایمان باللہ ہی میں سے ان تمام صفات پر بغیر حک و اضافہ، ایمان لانا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اپنی کتاب میں یا اپنے رسول ﷺ کی زبان پر متصف کیا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جیسی کوئی چیز نہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ جن صفات سے اس نے اپنے آپ کو متصف کیا، ان میں سے کسی کا انکار نہیں کرتا، نہ اس کے کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے تبدیل کرتا ہوں۔ اس کے ناموں اور آیات میں کج روی نہیں کرتا۔ اس کی کیفیت بیان کرتا ہوں نہ اس کی صفات مخلوق کی صفات جیسی قرار دیتا ہوں کیونکہ وہ بلند وبالا ہے۔ اس کا کوئی ہم نام ہے، نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔ مخلوق پر اسے قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

---

[1] یہ خط شیخ محمد بن عبدالوہاب کے شخصی خطوط کی خصوصی قسم میں شائع کیا گیا ہے، جو ڈاکٹر محمد بلتاجی، ڈاکٹر سید حجاب اور شیخ عبدالعزیز رومی کی تالیف ہے۔ اور یہ پہلا خط ہے جو الدرر السنیۃ: 1/28-31 سے منقول ہے۔

خود اپنے آپ کو غیر سے زیادہ جانتا ہے۔ اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہے اور اس کی بات سب سے زیادہ بہتر ہے، اس کی ذاتِ عالی ان تمام صفات سے پاکیزہ ہے جن سے کیفیت بیان کرنے والے اور تشبیہ دینے والے مخالفین اسے متصف کرتے ہیں، اس نے ان صفات سے بھی خود کو منزہ قرار دیا ہے جن کا ردو بدل اور حک و اضافہ کرنے والے منکرین انکار کرتے ہیں، اس کا ارشاد ہے:

﴿سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۚ﴿۱۸۰﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾﴾

"پاک ہے آپ کا رب، جو بہت بڑی عزت والا ہے، ہر اس چیز سے (جو مشرک بیان کرتے ہیں اور پیغمبروں پر سلامتی ہے۔"[1]

اور فرقۂ ناجیہ "نجات پانے والا گروہ" اللہ تعالیٰ کے افعال کے بارے میں قدریہ اور جبریہ کے مابین معتدل ہے۔ اور اللہ کی وعید کے بارے میں وہ لوگ فرقۂ مرجۂ اور وعیدیہ کے درمیان ہیں۔ اور ایمان و اسلام کے بارے میں حروریہ و معتزلہ، اور مرجۂ و جہمیہ کے مابین معتدل ہیں۔ اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں شیعہ اور خوارج کے مابین معتدل ہیں۔ میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ قرآن اللہ کا نازل کردہ کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔ اسی سے اس کی ابتدا ہوئی اور اسی کی طرف وہ لوٹ جائے گا، اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً اس کے ذریعے سے کلام کیا اور اپنے بندے، اپنے رسول، اس کی وحی کے امین، اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان اپنے سفیر، ہمارے نبی محمد ﷺ پر اسے نازل فرمایا۔ اور اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے۔ اس کے چاہے بغیر کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور کوئی چیز اس کی مشیت سے خارج نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں کوئی چیز اس کی تقدیر سے باہر نہیں ہے، نہ اس کی تدبیر کے بغیر پیدا ہوتی ہے۔ کسی کو متعین تقدیر سے مفر نہیں۔ لوح مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے

---

[1] الصافات 37:180،181.

آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ اور موت کے بعد پیش آنے والی ہر اس چیز پر یقین رکھتا ہوں جس کی خبر نبی ﷺ نے دی ہے۔ قبر کی آزمائش اور اس کی نعمتوں پر، اجسام میں رُوحیں لوٹانے پر ایمان رکھتا ہوں اور لوگ رب العالمین کے سامنے ننگے پاؤں، ننگے بدن، بغیر ختنہ کھڑے ہوں گے۔ آفتاب ان سے قریب ہوگا ترازو قائم کی جائے گی۔ اور اس سے بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا جن کے ترازو کا پلڑا بھاری ہوگا وہ تو نجات پانے والے ہوں گے اور جن کے ترازو کا پلڑا ہلکا ہوگیا، یہی ہیں وہ جنھوں نے اپنا نقصان آپ کرلیا اور ہمیشہ کے لیے واصل جہنم ہوئے۔ دفاتر پھیلا دیئے جائیں گے، کوئی اپنا نامۂ اعمال اپنے داہنے ہاتھ میں لے گا اور کوئی اپنے بائیں ہاتھ میں لے گا، ان سب باتوں پر میرا ایمان ہے۔

میدان محشر میں ہمارے نبی ﷺ کے حوض پر میرا یقین ہے جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس کے ساغر آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، جو اس حوض سے ایک بار پانی پی لے گا اس کے بعد کبھی پیاس نہیں محسوس کرے گا، میرا اس بات پر ایمان ہے کہ پل صراط جہنم کے کنارے پر رکھا جاچکا ہے، لوگ اس سے اپنے اپنے اعمال کی حیثیت کے مطابق گزریں گے۔ میں نبی ﷺ کی شفاعت پر ایمان رکھتا ہوں اور اس بات پر بھی کہ آپ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے اور سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ صرف اہل بدعت اور گمراہ لوگ نبی ﷺ کی شفاعت کے منکر ہیں لیکن شفاعت اللہ کی اجازت اور رضا مندی کے بعد ہی ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ ﴾

''وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کریں گے بجز اُن کے جن سے اللہ خوش ہو۔'' [1]

---

[1] الأنبياء 21:28.

اور ارشاد ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾

''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔''❶

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○﴾

''اور کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش ذرا بھی کام آنے والی نہیں، مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت عطا کر دے۔''❷

اللہ تعالیٰ توحید ہی سے راضی ہوگا اور اہل توحید ہی کو اہل توحید کی سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ رہے مشرکین تو شفاعت میں ان کا کوئی حصہ نہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ○﴾

''انھیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی نفع نہ دے گی۔''❸

میرا اس بات پر ایمان ہے کہ جنت اور جہنم مخلوق ہیں۔ دونوں اس وقت موجود ہیں اور دونوں فنا نہیں ہوں گے۔ اہل ایمان قیامت کے دن اپنے پروردگار کو اُسی طرح اپنی نگاہوں سے دیکھیں گے جس طرح چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہیں، اس کی دِید سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

میں ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ سارے نبیوں اور پیغمبروں پر مہر ہیں۔ کسی بندے کا ایمان، جب تک وہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کی نبوت

❶ البقرة 2:255. ❷ النجم 53:26. ❸ المدثر 74:48.

کی گواہی نہ دے، صحیح نہ ہوگا۔ آپ ﷺ کی امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق، پھر عمر فاروق، پھر عثمان ذوالنورین، پھر علی مرتضیٰ، پھر باقی عشرہ مبشرہ، پھر اہل بدر، پھر درخت والے اصحابِ بیعت رضوان، پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

میں اصحابِ رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، ان کی خوبیاں دل میں یاد کرتا ہوں اور زبان سے چرچا کرتا ہوں، انھیں راضی کرتا ہوں اور ...... رضی اللہ عنہم ...... کہتا ہوں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں، ان کی برائی کرنے سے باز رہتا ہوں، ان کے مابین جو نزاع ہوا، اس پر خاموشی اختیار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اور جو ان کے بعد آئے، وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کینہ نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب! بے شک تو نہایت شفیق اور مہربان ہے۔''[1]

اس ارشاد باری پر عمل کرتے ہوئے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کو مانتا ہوں۔ ہر برائی سے پاک امہات المومنین کے حق میں ''...... رضی اللہ عنہن ......'' کہتا ہوں، اولیاء کی کرامات وکشف کا معترف ہوں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حق کے مستحق نہیں ہیں۔ جس چیز پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے، وہ ان سے نہیں مانگی جائے گی، بجز اس کے جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی ہے۔ میں مسلمانوں میں سے کسی اور کے لیے جنت وجہنم کی گواہی نہیں دیتا لیکن نیکوکار کے لیے رحمت کا امیدوار ہوں اور گناہ گار پر عذاب سے خائف ہوں۔ میں مسلمانوں میں سے کسی

---

[1] الحشر 59:10.

گناہ کے مرتکب کو کافر نہیں کہتا، نہ اسے دائرۂ اسلام سے خارج مانتا ہوں، ہر نیک و بد امام کے ساتھ جہاد کو جاری سمجھتا ہوں، ان کے پیچھے نماز باجماعت مباح جانتا ہوں اور جہاد محمد ﷺ کی بعثت سے لے کر اس امت کے آخری فرد کی دجال سے جنگ کرنے تک باقی ہے۔ کسی ظالم کا ظلم اسے منسوخ کرے گا نہ کسی انصاف پرست کا انصاف۔ نیک و بد ائمۂ مسلمین کی اطاعت واجب سمجھتا ہوں جب تک وہ اللہ کی معصیت کا حکم نہ دیں۔ اور جسے خلیفہ مقرر کر دیا گیا اور لوگ اس سے متفق اور راضی ہو گئے یا بزورِ طاقت ان پر غالب ہو کر خلیفہ بن گیا، اس کی اطاعت واجب ہے، اس کے خلاف بغاوت کرنا حرام ہے۔ اہلِ بدعت سے قطع تعلق اور جدائی مناسب سمجھتا ہوں یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں، انھیں مسلمان مانتا ہوں اور ان کا باطن اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ میں اسلام میں ہر نئی ایجاد کردہ چیز کو بدعت مانتا ہوں۔ اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ایمان زبان کے قول، اعضاء و جوارح کے عمل اور دل کی تصدیق کو کہتے ہیں۔ ایمان اطاعت و فرماں برداری سے بڑھتا ہے اور نافرمانی سے گھٹتا ہے۔ اس کے ستر سے کچھ زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے بلند شعبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دینا ہے اور سب سے نچلا راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت کا شریعت محمدیہ کے تقاضے کے مطابق قائل ہوں۔

یہی میرا مختصر عقیدہ ہے جسے پریشان حالی میں تحریر کر دیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو میرے خیالات سے آگاہی ہو جائے اور جو کچھ میں کہتا ہوں، اس پر اللہ میرا کارساز ہے۔

آپ لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہونی چاہیے کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ لوگوں کو سلیمان بن سحیم کا خط پہنچا ہے اور آپ کے ہاں بعض کم علم اشخاص نے اسے درست سمجھ لیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے جبکہ اللہ جانتا ہے کہ اس شخص نے مجھ پر ایسی باتوں کا الزام لگایا ہے جو میری زبان تو کجا میرے وہم و گمان سے بھی نہیں گزریں، جیسے: ان کا یہ کہنا کہ

میں مذاہب اربعہ کی کتابوں کو منسوخ قرار دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ لوگ چھ سو سال سے کسی مذہب پر نہیں ہیں اور اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں، تقلید کی مجھے ضرورت نہیں۔ اور کہتا ہوں کہ علماء کا اختلاف مصیبت ہے اور جو بزرگوں کا وسیلہ پکڑے، اسے کافر کہتا ہوں، بوصیری کو اس کے ''یَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ!'' کہنے کی وجہ سے کافر گردانتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا قبہ ڈھانا میرے بس میں ہوتا تو میں اسے ڈھا دیتا، اگر کعبہ میرے قبضے میں ہوتا تو اس کا پرنالہ نکال کر اس کی جگہ لکڑی کا پرنالہ لگا دیتا۔ اور میں قبر نبی ﷺ کی زیارت کو حرام کہتا ہوں اور والدین وغیرہ کی قبر کی زیارت کا منکر ہوں۔ جو غیر اللہ کی قسم کھائے اسے کافر کہتا ہوں، ابن فارض اور ابن عربی کو کافر گردانتا ہوں۔ ''دلائل الخیرات'' اور ''روض الریاحین'' جیسی کتابیں جلا دیتا ہوں اور آخر الذکر کتاب کو ''روض الشیاطین'' کے عنوان سے موسوم کرتا ہوں۔ ان تمام مسائل کے بارے میں میرا جواب یہ ہے کہ میں کہتا ہوں: سبحنك هذا بهتان عظيم ''یا اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔'' ان سے پہلے لوگوں نے محمد ﷺ پر بہتان لگایا تھا کہ آپ ﷺ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور بزرگوں کو گالی دیتے ہیں، اِن لوگوں کے اور اُن لوگوں کے دل الزام لگانے اور جھوٹ بولنے میں یکساں ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ﴾

''جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا۔'' [1]

یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ کذابوں نے رسالت مآب ﷺ پر بہتان لگایا کہ آپ کہتے ہیں: فرشتے، عیسیٰ اور عزیر جہنم میں ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴾

[1] النحل 105:16.

”بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی اور بھلائی مقدر ہو چکی ہے، وہ سب جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔“[1]

رہ گئے دوسرے مسائل تو بے شک میں یہ ضرور کہتا ہوں: انسان جب تک ”لا الہ الا اللہ“ کے معنی سمجھ نہ لے کامل طور پر مسلمان نہیں ہو سکتا جو میرے پاس آئے گا، میں اسے اس کے معنی سمجھا دوں گا۔ جب نذر سے غیر اللہ کے تقرب کی نیت ہو تو نذر ماننے والے اور نذرانہ قبول کرنے والے دونوں کو کافر کہتا ہوں۔ اور یہ کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا کفر ہے اور وہ ذبیحہ حرام ہے۔ یہ مسائل یقیناً برحق ہیں۔ میں ان کا قائل ہوں اور میرے پاس ان پر کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ اور جن علماء کی اتباع کی جاتی ہے، جیسے ائمۂ اربعہ، ان کے اقوال سے دلائل موجود ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے گا، ان شاء اللہ ان سب کا تفصیلی جواب ایک مستقل رسالے کی شکل میں لکھوں گا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو سمجھیں اور غور کریں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوْمًۢا بِجَهَٰلَةٍ ﴾

”اے مسلمانو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو۔“[2]

مصباح الظلام کے مصنف نے سلیمان بن عبدالوہاب کی طرف منسوب اپنے بھائی کے رد پر اعتراض کے بعد کہا: اللہ کا احسان ہے کہ اس کتاب کا مسودہ تیار کرتے ہوئے سلیمان کے ایک ایسے خط کا پتہ چلا جس میں انھوں نے اپنے پہلے مذہب سے توبہ کرنے کی خوش خبری دی ہے اور اعتراف کیا ہے کہ حقیقت توحید وایمان ان پر ظاہر ہو گئی اور جو گمراہی وسرکشی پہلے سرزد ہو چکی ہے، اس پر وہ نادم ہیں۔

---

[1] الأنبیآء 101:21۔ [2] الحجرات 6:49۔

اس خط کا مضمون یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سلیمان بن عبدالوہاب کا برادران حمد بن محمد تو یجری اور احمد و محمد اولاد عثمان بن شبانہ کے نام خط۔ [1]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد! اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ ہم پر اور تم پر اللہ نے اپنے دین اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعے بھیجی ہوئی شریعت کی معرفت کا جو احسان کیا اور اس کے ذریعے اندھے پن سے نکال کر بصیرت عطا فرمائی اور گمراہی سے نجات دلائی، یہ ساری باتیں تمھیں یاد دلاتا ہوں۔ ہمارے پاس درعیہ آ جانے کے بعد تمھاری معرفت حق، اس پر تمھاری مسرت اور اللہ رب العزت کی حمد وثنا جس نے تمھیں بچایا، یہ امور بھی تمھیں یاد دلاتا ہوں، الحمد للہ! جو بھی ہمارے ہاں آتا ہے، تمھاری تعریف کرتا ہے، اس پر اللہ کا شکر ہے۔ تمھیں دو خط بطور یاددہانی لکھ چکا ہوں۔ میرے بھائیو! حق کی مخالفت، شیطان کے راستے کی پیروی اور راہِ ہدایت کی اتباع سے روکنے کی جو کوشش ہم سے سرزد ہوئی تھی، وہ تمھیں معلوم ہے۔ اب یاد رکھو! ہماری زندگی کا تھوڑا حصہ باقی ہے، گنتی کے گنے چنے دن ہیں، سانس گنے جا رہے ہیں۔ گمراہی کے لیے جو کچھ ہم نے کیا تھا، ضروری ہے کہ اب اس سے زیادہ ہدایت کے لیے کام کریں، وہ بھی صرف اللہ وحدہ لا شریک کی رضا کے لیے، نہ کہ اس کے ماسوا کے لیے، شاید اللہ تعالیٰ ہمارے اگلے پچھلے گناہ مٹا دیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت جو ہاتھ زبان، دل اور مال سے ہوتا ہے، اس سے گناہوں کا جو کفارہ ہوتا ہے، وہ تم سے مخفی نہیں اور جس کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت دے دے اس کا اجر تم جانتے ہو، اس وقت جتنا کارِ خیر تم کرتے ہو، اس سے زیادہ کرنا اور اللہ کے لیے

[1] دیکھیے شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن کی مصباح الظلام، ص: 104-108.

سچائی کے ساتھ کھڑے ہونا، حق کو بطورِ حق لوگوں سے بیان کرنا اور پہلے تم جس ضلالت و گمراہی پر تھے، اسے صراحت سے بیان کرنا مطلوب ہے۔

اے میرے بھائیو! اللہ سے ڈرو، اللہ کا خوف کرو، اگر ہم ویرانوں میں نکل جائیں، اللہ کے آگے گڑگڑائیں، اس کے سامنے دستِ دعا بلند کریں اور لوگ ہمیں پاگل ٹھہرائیں تو یہ بھی ہمارے لیے کم ہے کیونکہ ہمارا گناہ اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔

تم اپنی جگہ پر دین و دنیا کے سردار ہو، شیوخِ قبائل سے زیادہ باعزت ہو اور سارے عوام تمھارے پیروکار ہیں، اس پر اللہ کا شکر ادا کرو۔ ممنوعاتِ شریعت میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہ کرو۔ تم جانتے ہو کہ فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ادا کرنے والوں کو ناپسندیدہ امور ضرور پیش آتے ہیں۔ میں اس پر تمھیں صبر کی نصیحت کرتا ہوں جس طرح اللہ کے نیک بندے لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی، اللہ ہی کے لیے محبت کرنے اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھنے سے بڑھ کر کوئی حق نہیں، اللہ کے لیے دوستی کرو اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کرو۔

اس راہ میں تمھیں کچھ شیطانی خیالات پیش آئیں گے، مثلاً: یہ کہ بعض لوگ خود کو اس دین کی طرف منسوب کریں اور شیطان آپ کے دل میں ڈالے کہ یہ سچا نہیں ہے بلکہ دنیا کا خواہش مند ہے، حالانکہ یہ ایسی بات ہے جس سے صرف اللہ تعالیٰ راضی ہے، لہٰذا جب کسی کا ظاہر اچھا ہو تو اسے تسلیم کرو اور اس سے دوستی رکھو۔ جب کسی کا ظاہر برا ہو اور وہ دین سے پیٹھ پھیر رہا ہو تو اس سے دشمنی رکھو اور اس سے نفرت کرو، اگرچہ وہ تمھارا بڑا محبوب ہی ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بلاشرکت غیرے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اپنی رحمت سے ہمارے لیے ایک رسول ﷺ بھیجا جس نے ہمیں ہمارے اصل مقصد سے روشناس کرایا اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا راستہ بتایا۔ سب سے بڑی بات جس سے اس نے ہمیں منع کیا، وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور اللہ والوں سے دشمنی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حق

بیان کرنے اور باطل ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی چیز کو لازم پکڑے، وہ تمھارا بھائی ہے، اگرچہ وہ بہت بڑا دشمن ہی ہو اور جو صراط مستقیم سے پیٹھ پھیرے، وہ تمھارا دشمن ہے، چاہے وہ تمھارا بیٹا یا بھائی ہو۔

الحمد للہ! مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جو کچھ میں نے تم لوگوں سے کہا ہے، اسے تم جانتے ہو، پھر بھی یہ بات تمھیں از سرِ نو یاد دلائی ہے، اس لیے اب اسے مکمل طور پر بیان کرنے سے جس میں کوئی التباس نہ ہو، تمھارے پاس کوئی عذر نہیں۔ وہاں تمھاری مجلسوں میں ہم نے اور تم نے پہلے جو کچھ کہا، اسے برابر یاد رکھنا، باطل کا ساتھ نہ دینا اور حق کا بھرپور ساتھ دینے سے زیادہ کوئی برحق کام نہیں، نہ اس سے تمھیں کوئی عذر مانع ہے کیونکہ آج دین و دنیا دونوں ......الحمد للہ......اس سے متفق ہیں۔ ذرا یاد کرو، پہلے تم دنیاوی معاملات میں کس قدر خوف زدہ تھے۔ طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا تھے، ظالموں اور فاسقوں کی زیادتیاں سہہ رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے دین کے ذریعے یہ ساری مصیبت دور فرمائی اور تمھیں سیادت وقیادت کا رتبہ عطا فرمایا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دین کا احسان اور عالی قدر شیخ الاسلام کی دعوتِ حق کا اثر ہے۔ ایک مسئلے پر غور کرو جس سے ہم ناواقف ہیں کہ اس اسلامی دعوت کے پھیلنے سے قبل فاسد عقائد والے بدوؤں پر اسلامی احکام کا اطلاق کیا جاتا تھا جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ صحابہ نے مرتد ہوجانے والے بدوؤں سے جنگ کی، حالانکہ ان میں اکثر اسلام کے نام لیوا تھے بلکہ بعض اسلام کے ارکان بھی بجالاتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ جو قرآن کے ایک حرف کو بھی جھٹلائے گا، اسے کافر کہا جائے گا، اگرچہ وہ عابد و پارسا ہی ہو۔ اور جو دین یا دین کی کسی چیز کا مذاق اڑائے، وہ کافر ہے۔ اور جو کسی متفق علیہ حکم کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ اس کے علاوہ اسلام سے خارج کرنے والے دیگر احکام جو سب بدوؤں میں اکٹھے موجود تھے، اس کے باوجود ہم ان پر اپنے سے پہلے لوگوں کی تقلید کرتے ہوئے بلا دلیل اسلام کا حکم لگاتے تھے۔

میرے بھائیو! غور کرو اور اس اصل کو یاد رکھو تو تمھیں اس سے کہیں زیادہ رہبری کی روشنی ملے گی۔ میں نے بات لمبی کر دی کیونکہ مجھے یقین ہے کہ جن باتوں کی تنبیہ کی ہے، اس میں سے کسی پر بھی تم شک نہیں کرو گے۔ میری اس سلسلے میں اپنے لیے اور تمھارے لیے خصوصی نصیحت یہ ہے کہ رات دن اللہ کے سامنے گڑگڑانے کو اپنی عادت بنا لو کہ وہ تمھیں نفس کی برائیوں اور اعمال کی خرابیوں سے بچائے۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت دے جس پر اس کے انبیاء، پیغمبر اور نیک بندے گامزن تھے اور گمراہ کن فتنوں سے تمھیں محفوظ رکھے۔ حق واضح اور روشن ہے۔ اور حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ سے ڈرو، اسے یاد رکھو، جو لوگ تمھارے علاقے میں ہیں وہ خیر و شر میں تمھارے تابع ہیں، جو کچھ میں نے تم سے بیان کیا ہے اگر اسے کرتے رہے تو تمھیں کوئی برا نہیں کہہ سکے گا اور تم بڑے لوگوں کی طرح پریشان حال لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بن جاؤ گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں سب کو راہِ راست پر چلائے۔

شیخ، ان کی آل و اولاد اور ہمارے اہل خانہ سب ...... الحمد للہ...... اچھے ہیں اور تمھیں سلام عرض کر رہے ہیں۔ اپنے عزیزوں کو ہمارا سلام پہنچا دو۔ والسلام وصلی اللہ علی محمد و آلہ وصحبہ.

اے اللہ! خط لکھنے والے، اس کے والدین، اس کی ذریت، خط پڑھ کر کاتب کے لیے مغفرت کی دعا کرنے والے اور جملہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔

پھر مؤلف مصباح الظلام نے بیان کیا ہے کہ شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے جنھیں خط لکھا، انھوں نے موصوف کو بڑا اچھا جواب دیا۔ مناسب ہے کہ اس کا تذکرہ کیا جائے، پھر اس کے بعد جواب کی تکمیل کی جائے۔

اس موضوع کے لیے ایک اور خط کا حوالہ بھی مفید ہوگا جو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے پہلے اہل مراکش کے نام لکھا تھا۔ اس میں شیخ رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے

اخلاص عبادت اور توحید خالص کی توضیح و تشریح کی ہے جس کی وہ زندگی بھر دعوت دیتے رہے۔۔۔۔۔۔ اس سے ان بنیادوں کا پتہ چلتا ہے جنھوں نے امام سعود اور مولائی ابراہیم کے مابین اس مناظرے کے بعد انشراح صدر کے ساتھ اتفاق کی راہ ہموار کی جو مولائی ابراہیم کی ریاست میں علمائے مراکش اور امام سعود بن عبدالعزیز کی ریاست میں علمائے نجد کے درمیان 1226ھ میں مکہ میں ہوا اور دعوت کی سلامتی اور شیخ کی جانب سے ان شبہات کی تردید پر یقین نصیب ہوا جن سے شیخ اور علماء نے مکے میں براءت ظاہر کی۔ خط کا مضمون درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ غَوٰى، وَلَنْ يَّضُرَّ إِلَّا نَفْسَهُ وَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا. أَمَّا بَعْدُ!

''سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اُسی سے مدد چاہتے ہیں، اُسی سے مغفرت کے خواست گار ہیں اور اس سے توبہ کرتے ہیں، نفس کی برائیوں اور اعمال کی خرابیوں سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کردے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، وہ راہ یاب ہوا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ گمراہ ہوا، وہ اپنے ہی

نفس کو نقصان پہنچائے گا، اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ محمد ﷺ پر، آپ کی آل اور اصحاب پر اللہ تعالیٰ کثرت سے درود و سلام نازل فرمائے۔'' اما بعد:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؀ ﴾

''آپ کہہ دیجیے میری راہ یہی ہے، میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔''[1]

اور ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾

''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا۔''[2]

نیز اس کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

''اور تمھیں جو کچھ رسول دے، لے لو اور جس سے روکے، رک جاؤ۔''[3]

اور فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[4]

---

[1] یوسف 108:12۔ [2] آل عمران 31:3۔ [3] الحشر 7:59۔ [4] المآئدۃ 3:5۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اپنے رسول ﷺ کی زبانی اسے پورا کر دیا ہے اور ہمیں اپنی بارگاہ سے نازل کردہ شریعت کو لازم پکڑنے اور بدعات واختلافات کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾

''لوگو! جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو، تم نصیحت کم ہی مانتے ہو۔''[1]

اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

''اور یہ (دین) میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اسی راہ پر چلو اور تم دوسری پگڈنڈیوں پر مت چلو ورنہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کی تاکید کی ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ امت مسلمہ ہو بہو گزشتہ امتوں کے طور طریقے اختیار کرے گی۔ صحیحین میں رسالت مآب ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَّدَخَلْتُمُوهُ»

''تم پہلی امتوں کے راستوں کی پیروی میں ان سے ایسے مشابہ ہو جاؤ گے جس طرح

[1] الأعراف 7:3۔ [2] الأنعام 6:153۔

ایک تیر دوسرے تیر سے مشابہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی گھس جاؤ گے۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم مسلمان یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور کون ہوسکتا ہے۔''[1]

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے خبر دی کہ امتِ مسلمہ 73 فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک فرقے کے علاوہ سارے فرقے جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ عَلٰى مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي»

''جو آج میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہم مثل راستے پر ہو۔''[2]

جب یہ معلوم ہوگیا تو بدعات کی جو مصیبتیں عام ہوگئی ہیں، وہ بھی معلوم ہوگئی ہوں گی جن میں سب سے بڑی مصیبت اللہ کے ساتھ شرک کرنے، مُردوں کا رخ کرنے، ان سے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کرنے، حاجات پوری کرنے اور ان پریشانیوں کے دور کرنے کی درخواست ہے جنھیں دور کرنا پروردگارِ عالم کے سوا کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح ان سے تقرب کے لیے نذرانے اور قربانیاں پیش کرنا، مصیبتوں کے ازالے اور فوائد کے حصول کے لیے ان سے مدد چاہنا۔ اس کے علاوہ دیگر قسم کی عبادتیں مُردوں کے لیے کرنا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے درست ہے اور اقسامِ عبادت میں سے کوئی بھی عبادت غیر اللہ کے لیے کرنا ایسا ہی ہے جیسے ساری عبادات غیر اللہ کے لیے کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے شرکاء میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے اور صرف وہی عبادت قبول فرماتا ہے جو خالصتاً اُسی کی

[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: [لتتبعن سنن من كان قبلكم]، حديث: 7320، وصحيح مسلم، العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصارى، حديث: 2669.

[2] جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة، حديث: 2641.

ذات کے لیے ہو جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝﴾

''آپ اللہ کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے عبادت کریں۔ خبردار! خالص بندگی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) ہمیں اللہ سے قریب تر کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کرے گا جس کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پوری وضاحت سے بتلا دیا کہ وہ صرف اسی عبادت سے راضی ہوتا ہے جو خالص اس کی ذات کے لیے ہو اور یہ بھی بتایا کہ مشرکین فرشتوں، انبیاء اور بزرگوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ انھیں اللہ کے قریب کر دیں اور اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کر دیں۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے کو ہدایت نہیں دیتا، پس اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دعوائے تقرب کو جھٹلایا، انھیں ناشکرا قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝﴾

''اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو راہ نہیں دکھاتا۔''[2]

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ

---

[1] الزمر 39:2،3۔ [2] الزمر 39:3۔

شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾

”یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نقصان پہنچا سکیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں؟ وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور ارفع ہے۔“ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتلا دیا کہ جو اللہ کے اور اپنے درمیان واسطے بنائے اور ان سے شفاعت کا سوال کرے تو گویا اس نے انھی کی عبادت کی اور اللہ کے ساتھ انھیں شریک ٹھہرایا کیونکہ شفاعت تو ساری اللہ ہی کے اختیار میں ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا﴾

”کہہ دیجیے! کہ سفارش کا تمام تر مختار اللہ ہی ہے۔“ [2]

اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کرے گا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾

”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور کسی کی سفارش کر سکے۔“ [3]

اور فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ○﴾

”اس دن سفارش کام نہیں آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس کی بات پسند فرمائے۔“ [4]

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ صرف توحید خالص ہی پسند فرمائے گا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

---

[1] یونس 10:18. [2] الزمر 39:44. [3] البقرة 2:255. [4] طٰہٰ 20:109.

﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ ۙ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ ﴾

’’وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے، بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔‘‘ [1]

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ○ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾

’’کہہ دیجیے! انھیں بلاؤ جنھیں تم نے اللہ کے سوا معبود گمان کر رکھا ہے، نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں میں ذرہ برابر کوئی اختیار ہے نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے، نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ اس کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش نفع دے گی جسے اللہ اجازت دے گا۔‘‘ [2]

شفاعت برحق ہے لیکن دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جائے گی جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ○ ﴾

’’اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔‘‘ [3]

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ○ ﴾

’’اور اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو نہ پکارو جو نہ تمھیں کوئی نفع دے سکتی ہیں، نہ کوئی

---

[1] الأنبیاء 28:21. [2] سبا 23,22:34. [3] الجن 18:72.

ضرر پہنچا سکتی ہیں، پھر اگر تم نے ایسا کیا تو اس حالت میں تم بھی ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"[1]

جب رسول اللہ ﷺ بھی جو سفارش کرنے والوں کے سردار ہیں، مقام محمود کے مالک ہیں، آدم (علیہ السلام) اور ان کے بعد کے انبیاء جن کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اللہ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کریں گے۔ اور مخلوق کی ممتاز ترین شخصیت ہوتے ہوئے بھی محمد ﷺ سفارش کا آغاز نہیں کریں گے بلکہ آپ آئیں گے، سجدے میں گر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کریں گے جو اللہ آپ ﷺ کو سکھائے گا، پھر آپ ﷺ سے کہا جائے گا: سر اٹھائیے، سوال کیجیے، آپ کو مرحمت کیا جائے گا، سفارش کیجیے، سفارش قبول کی جائے گی، پھر آپ کے لیے لوگوں کی تعداد متعین کی جائے گی جنھیں آپ جنت میں داخل کرائیں گے۔

جب محمد ﷺ کا یہ حال ہے تو دیگر انبیاء اور اولیاء کا کیا عالم ہوگا؟ ہم نے جو یہ بات کہی ہے، علمائے اسلام میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں ہے بلکہ سلف صالحین، صحابہ، تابعین، ائمۂ اربعہ اور ان کے علاوہ جو ان کی روش اختیار کر کے ان کے منہج پر چلے، سب اس پر متفق ہیں۔

رہا انبیاء اور اولیاء سے شفاعت کا سوال کرنا، ان کی قبروں پر قبے بنانا، چراغاں کرنا، قبروں کے پاس نماز پڑھنا، ان پر میلہ لگانا، ان کے لیے خدام مقرر کر کے نذرانے پیش کرنا، ان کی قبروں کی تعظیم کرنا تو یہ سب ان بدعات میں سے ہے جن کے وقوع پذیر ہونے کی نبی ﷺ نے خبر دی ہے اور ان سے بچنے کی تاکید کی ہے جیسا کہ حدیث میں آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَلْحَقَ حَيٌّ مِّنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتّٰى تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ»

[1] یونس 106:10.

”قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک میری امت کا ایک قبیلہ مشرکوں سے نہ جا ملے اور جب تک امت محمدیہ کی کچھ جماعتیں بتوں کی پرستش نہ کر لیں۔“ [1]

رسالت مآب ﷺ نے عقیدۂ توحید کی بڑی حفاظت فرمائی، شرک کے جتنے بھی راستے تھے سب بند کر دیے۔ قبر چونا گچ کرنے اور اس پر مزار بنانے سے منع فرمایا جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ کسی اونچی قبر کو برابر کیے بغیر اور کسی مجسمے کو مٹائے بغیر نہ چھوڑیں۔ [2]

اکثر علماء نے قبروں پر بنے قبوں کو منہدم کرنا واجب قرار دیا ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہوئے بنائے گئے ہیں۔ بس یہی وہ چیز ہے جس نے ہمارے اور لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان لوگوں نے ہمیں کافر ٹھہرایا اور ہم سے جنگ کی۔ ہماری جان و مال کو حلال قرار دیا یہاں تک کہ اللہ ہی نے ہماری مدد فرمائی اور ہم ان پر کامیاب ہوئے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی ہم لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور جس کے لیے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع ائمۂ سلف صالحین سے ان پر حجت قائم کرنے کے بعد جیسے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ﴾

”اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فسادِ عقیدہ نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔“ [3]

---

[1] سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ماذكر الفتن ودلائلها، حديث: 4252، وجامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون، حديث: 2219.

[2] صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، حديث: 969.

[3] الأنفال 8:39.

اس ارشادِ ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے ہم ان سے جنگ کرتے ہیں، اس لیے جس نے دعوت دلیل و حجت سے قبول نہیں کی، ہم نے اس سے تلوار اور نیزے سے جنگ کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾[1]

”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں تاکہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بن دیکھے کون کرتا ہے، بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔“

اور ہم لوگوں کو جماعت کے ساتھ مشروع طریقے سے نماز کی پابندی، زکاۃ ادا کرنے، ماہ رمضان کے روزے رکھنے اور بیت اللہ کا حج کرنے کی دعوت دیتے ہوئے بھلے کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع

---

[1] الحدید 25:57.

کریں، تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"[1]

بس یہی چیز ہے جس کا ہم عقیدہ رکھتے ہیں اور اللہ کے اسی دین کے ہم پابند ہیں جو اس پر عمل کرے، وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔ اس کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں اور اس پر وہی واجبات ہیں جو ہم پر لاگو ہیں۔ ہم یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ متبع سنت امت محمدیہ ﷺ گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی، آپ کی امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق کی پابند رہے گی۔ انھیں رسوا کرنے والا اور ان کی مخالفت کرنے والا انھیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ قیامت تک وہ اسی حال پر رہیں گے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ.[2]

شاہ عبدالعزیز کا اصلاحی کردار

سقوط خلافت اسلامیہ عثمانیہ کے بعد 1343ھ میں شاہ عبدالعزیز مکہ میں داخل ہوئے۔ جب مدینہ اور جدہ کے علاقے ان کی قیادت میں نئی حکومت کے حدود میں آ گئے تو ان کے خلاف کئی غیر ملکی آوازیں اٹھیں اور انھوں نے ان پر کئی باتوں کی تہمت لگائی جن سے وہ بری ہیں۔ کسی نے کہا کہ وہ وہابی مذہب کے ماننے والے ہیں جو پانچواں مذہب ہے۔ انھوں نے حرمین شریفین کا تقدس پامال کیا، مسجد نبوی پر بم برسائے اور عزتیں لوٹیں۔ وہ نبی ﷺ سے محبت نہیں رکھتے، آپ ﷺ پر درود نہیں بھیجتے۔ اس کے علاوہ دیگر کذب بیانیاں بھی کیں جو پہلے دہرائی جا چکی ہیں۔ اسی دوران علمائے اہل حدیث کا ایک گروپ آیا جس نے حج کیا، مسجد نبوی کی زیارت کی اور ان الزامات کو یکسر غلط پایا جو ان پر لگائے جا رہے تھے اور ان کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جا رہا تھا۔ یہ لوگ اپنے اطمینان کے بعد ہندوستان واپس آ گئے تاکہ اتہامات کی تردید کریں اور آنکھوں دیکھی حقیقت حال بیان کریں۔ انھوں نے لکھنؤ اور

---

[1] الحج 22:41.

[2] شیخ محمد بن عبدالوہاب: مجموع (کارروائی): 8/110-115، پرائیویٹ خطوط، نیز دیکھیے الدرر السنیة.

دِلّی کانفرنس کی تردید کے لیے دو کانفرنسیں منعقد کیں۔ اخباروں نے، جن میں اخبار اہل حدیث، اخبار محمدی اور روزنامہ زمیندار پیش پیش تھے، شاہ عبدالعزیز کی حقیقی کارگزاری بیان کی۔ انھوں نے حرمین شریفین میں جو اصلاحات کیں اور حجاج کے آرام وراحت اور امن وسکون کے لیے جو اقدامات کیے، ان کی تفصیلات شائع کیں۔ مزید برآں ان کے عقیدے کی سلامتی اور اللہ کے دین کے لیے ان کی غیرت وحمیت کے جذبات کا حال لکھا۔ شاہ عبدالعزیز جس عقیدے پر مضبوطی سے قائم تھے، اس کی وضاحت کے لیے انھوں نے خطوط بھی لکھے اور ہر سال حجاج کے وفود کے روبرو اپنے فکر وعمل کے احوال بھی بیان کرتے رہے۔ اس دوران انھوں نے یکم ذی الحجہ 1347ھ بمطابق: 11 مئی 1929ء کو مکہ کے شاہی محل میں ''یہ ہمارا عقیدہ ہے'' کے زیرِعنوان ایک جامع تقریر کی۔ اس میں انھوں نے وضاحت سے کہا: لوگ ہمارا نام ''وہابی'' رکھتے ہیں اور ہمارے مذہب کو پانچواں مذہب ٹھہرا کر ''وہابی'' کہتے ہیں، حالانکہ یہ ایک فاش غلطی ہے جو جھوٹے پروپیگنڈے سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کی اشاعت خود غرض لوگ کیا کرتے تھے۔ ہم کسی نئے مذہب یا نئے عقیدہ کے ماننے والے نہیں۔ اور محمد بن عبدالوہاب کوئی نیا مذہب لے کر نہیں آئے، بلکہ ہمارا عقیدہ سلف صالحین ہی کا عقیدہ ہے، ٹھیک وہی عقیدہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں آیا ہے اور جس پر سلف صالحین کاربند تھے۔

ہم ائمۂ اربعہ کا احترام کرتے ہیں، امام مالک، شافعی، احمد اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے مابین ہم کوئی تفریق نہیں کرتے، یہ سب ہماری نظر میں محترم ومعظم ہیں۔ ہم فقہ میں مذہب حنبلی کو اختیار کرتے ہیں۔

یہ وہ عقیدہ ہے جس کی دعوت دینے کے لیے شیخ محمد بن عبدالوہاب اٹھے اور یہی ہمارا بھی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اللہ عزوجل کی توحید پر مبنی ہے۔ ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہے، ہر بدعت سے منزہ ہے۔ یہی وہ عقیدۂ توحید ہے جس کی ہم دعوت دیتے ہیں اور یہی عقیدہ ہمیں آزمائش

ومصائب سے نجات دے گا۔

رہی وہ تجدید جس کی بعض لوگ وکالت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو فریب دیتے ہیں کہ اس تجدید میں ہمارے دکھوں کا علاج موجود ہے، میں واضح طور پر کہتا ہوں کہ اس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ یہ تجدید دنیاوی اور اخروی دونوں لحاظ سے ہر سعادت سے خالی ہے۔

یقیناً مسلمان جب تک کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پابندی کرتے رہیں گے بھلائی میں رہیں گے۔ خالص کلمۂ توحید کے بغیر ہم سعادت دارین حاصل نہیں کر سکتے۔

ہمیں وہ تجدید ہرگز نہیں چاہیے جو ہمارا عقیدہ اور دین ضائع کر دے۔ ہمیں اللہ عزوجل کی رضا چاہیے اور جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے عمل کرے گا، اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ وہ اس کا مددگار ہوگا۔ مسلمانوں کو ماڈرن بننے کی ضرورت نہیں۔ انھیں صرف سلف صالحین کے منہج کی طرف واپسی کی ضرورت ہے۔ جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں آئی، اس پر مسلمانوں نے عمل نہیں کیا تو وہ گناہوں کی کیچڑ میں غرق ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے انھیں ذلیل وخوار کیا۔ وہ ذلت ورسوائی کی اس حد کو پہنچ گئے جس پر آج آپ انھیں دیکھ رہے ہیں، اگر وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تو جن آزمائشوں اور گناہوں میں آج مبتلا ہیں، وہ انھیں لاحق نہ ہوتے، نہ وہ اپنی عزت وسربلندی کو ضائع کر پاتے۔

میرے پاس بے سروسامانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں اسی حالت میں نکلا، میرے پاس افرادی قوت بھی نہیں تھی۔ دشمن میرے خلاف اکٹھے ہو گئے تھے لیکن اللہ کے فضل اور اس کی قوت سے مجھے غلبہ حاصل ہوا اور یہ سارا ملک فتح ہو گیا۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آج مسلمان مختلف مذاہب میں بٹ گئے ہیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ غیر مسلم پردیسی ہماری مصیبت کا سبب ہیں۔ سب کچھ

ہمارا کیا دھرا ہے۔ اپنی مصیبتوں کا سبب ہم خود ہیں، غور فرمائیے! ایک غیر مسلم پردیسی کسی ایسے ملک میں جاتا ہے جہاں کروڑوں مسلمان موجود ہوتے ہیں اور وہ تنہا اپنے کام میں لگا رہتا ہے تو کیا ایسا تن تنہا شخص لاکھوں کروڑوں افراد پر اثر انداز ہوسکتا ہے جب تک کہ مقامی لوگوں میں سے کچھ لوگ اپنے افکار و کردار سے اس سے تعاون نہ کریں؟

نہیں، ہرگز نہیں، غیروں کے یہی معاونین ہماری مصیبتوں اور آزمائشوں کا سبب ہیں۔ ایسے مددگار ہی دراصل اللہ کے اور خود اپنے نفس کے دشمن ہیں، لہٰذا قابل ملامت وہ کروڑوں مسلمان ہیں، نہ کہ غیر مسلم پردیسی۔ کوئی تخریب کار ایک مضبوط و محکم عمارت میں تخریب کاری کی جتنی چاہے کوشش کرلے جب تک عمارت میں شگاف نہ پڑے اور کدال گھسنے کی راہ ہموار نہ ہو، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ اگر وہ متفق و متحد اور یک جان رہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ ان کی صفوں میں سوراخ کردے اور ان کا کلمہ منتشر کردے۔

اس ملک میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلامی جزیرہ نمائے عرب کو نقصان پہنچانے، اندر ہی اندر اس پر ضرب لگانے اور ہمیں تکلیف دینے کے لیے غیر مسلم تارکینِ وطن کی مدد کرتے ہیں، لیکن ان شاء اللہ جب تک ہماری نبض چل رہی ہے، ان کی یہ مذموم خواہش پوری نہیں ہوگی۔

مسلمان متفق ہوجائیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کریں، اس طرح وہ یقیناً کامیاب اور بعافیت رہیں گے۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ آگے بڑھیں، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی محمد ﷺ کی سنت میں جو کچھ آیا ہے، اس پر عمل کرنے اور توحید خالص کی دعوت دینے کے لیے آپس میں متحد ہوجائیں تو میں بھی ان کی طرف قدم بڑھاؤں گا اور جو کام وہ کریں گے اور جو تحریک لے کر وہ اٹھیں گے، میں ان کے دوش بدوش رہ کر ان کا ساتھ دوں گا۔

اللہ کی قسم! مجھے حکومت پسند نہیں۔ یہ اچانک میرے ہاتھ آگئی ہے۔ میں صرف رضائے الٰہی

کا آرزو مند ہوں اور توحید کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ مسلمان اسے مضبوطی سے پکڑنے کا عہد کریں اور متحد ہو جائیں۔ یوں میں ایک بادشاہ، ایک لیڈر یا ایک امیر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک خادم کی حیثیت سے ان کے شانہ بہ شانہ چلوں گا۔ [1]

23 محرم 1348ھ بمطابق یکم جولائی 1929ء کو ایک تقریر میں انھوں نے فرمایا:

آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ بعض لوگ راہِ ہدایت سے الگ ہو گئے ہیں، صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔ اور ان چالوں کی وجہ سے جو بعض مدعیان اسلام چلتے ہیں اور اسلامی غیرت کا اعلان اور اظہار کرتے ہیں، شیطان کے پھندے میں پڑ گئے ہیں۔ اللہ گواہ ہے کہ دین ان سے اور ان کی کارستانیوں سے بری ہے۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور برابر کہتا رہوں گا کہ جتنا خطرہ مجھے بعض مسلمانوں سے لاحق ہے، اتنا غیر مسلم تارکینِ وطن سے نہیں کیونکہ ان کا معاملہ عیاں ہے، ان سے بچنا ممکن ہے، ان کے حملوں کو روکنے، ان کی چال بازیوں کو ناکام بنانے کے لیے تیاری ممکن ہے، یہ لوگ اسلام کے نام پر ہم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، رہے بعض مسلمان تو یہ لوگ اب تک نجد اور اہل نجد کے خلاف اسلام اور مسلمانوں کے نام پر چالیں چلتے ہیں اور اسلام کا نام لے کر اپنے مسلمان بھائیوں سے جنگ کرتے ہیں۔

حکومت عثمانیہ بحیثیت اسلامی حکومت لوگوں سے زیادہ قریب تھی۔ اس نے ہم سے اسلام اور مسلمانوں کے نام پر کئی شدید جنگیں کیں۔ ہر طرف سے ہمارا محاصرہ کر لیا۔ مدحت پاشا نے قطیف اور احساء کی جانب سے ہم سے جنگ کی، حجاز اور یمن کی طرف سے لشکر جرار کی چڑھائی کرا دی، شمالی جانب سے عثمانی لشکر چڑھ آیا، ہمیں نیست و نابود کرنے اور اندر خانہ مارنے کے لیے ہر جانب سے محاصرہ کر لیا گیا۔ کیسی کیسی جھوٹی باتیں گھڑی گئیں، غلط باتوں کی کیسی ڈھول

[1] دیکھیے المصحف و السیف جمع مجد الدین القابسي، ص:56,55۔

اڑائی گئی۔ دعوتِ حق کو تحریک وہابیت کا نام دیا گیا۔ اسے نیا مذہب بتایا گیا۔ امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ پر تہمت لگائی گئی کہ وہ تحریک وہابیت کی ایک نئی بدعت لے کر آئے ہیں اور وہابیوں سے جنگ کرنا فرض ہے، پھر خوبصورت الفاظ سے کانوں کو دھوکے دیے گئے۔ ہم سے جنگ کی گئی۔ بھولے بھالے اور کم عقل عوام کو ہمارے خلاف بہکایا گیا۔ وہ دھوکا کھا گئے اور حکومت کی باتوں میں آ کر ہم سے دشمنی کرنے لگے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح ونصرت عطا فرمائی۔ اس دور میں اوروں نے بھی ہمارے ساتھ یہی سلوک کیا، ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور دین ہی کے نام پر ہمیں ختم کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر کامیابی عطا فرمائی اور اپنے کلمے کو بلند وبالا رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے قوتِ توحید سے جو دلوں میں ہے اور طاقت ایمان سے جو سینوں میں ہے، ہماری مدد فرمائی۔

دانائے قلوب اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ توحید نے صرف ہماری ہڈیوں اور جسموں ہی پر قبضہ نہیں کیا بلکہ ہمارے دلوں اور اعضاء وجوارح پر بھی اس کا قبضہ اور غلبہ ہو گیا ہے۔ ہم نے توحید کو شخصی مقاصد پورا کرنے اور مالِ غنیمت کے حصول کا آلۂ کار نہیں بنایا بلکہ ہم اِسے مضبوط عقیدے اور قوی ایمان کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں تاکہ اللہ ہی کا کلمہ بلند رکھا جائے۔[1]

یہ ہماری حقیری سی کوشش ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ اس عمل کو اپنی ذات کریم کے لئے خالص بنائے اور اس کے ذریعے طالبانِ علم ومعرفت کو ہمیشہ نفع پہنچائے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ.

---

[1] دیکھیے المصحف والسیف، ص:59,58.

پس نوشت

احمد کامران (ریسرچ فیلو دارالسلام لاہور)

اب تک جو معروضات کی گئی ہیں، اُن کے مطالعے کے بعد درج ذیل حقائق پر پھر توجہ فرمایئے اوراس پورے معاملے پر حتمی نظر ڈالیے۔

زندگی رب ذوالجلال کی بہت بڑی نعمت ہے اور نہایت عظیم الشان مقاصد کے لیے دی گئی ہے۔ جن لوگوں نے اس زندگی کو خود غرضی، ہیرا پھیری، الزام و دشنام، عیش و عشرت اور جسم وجنس کے مطالبوں پر ضائع کیا، وہ تاریخ کے کباڑ خانے میں پھینک دیے گئے...... اس کے برعکس وہ لوگ جو زندگی کو اللہ رب العزت کی امانت سمجھتے تھے، وہ ہر عیش سے منہ موڑ کر اور ہر صعوبت برداشت کر کے آخر دم تک مقاصدِ حسنہ کے لیے کام کرتے رہے اور تاریخ کے ایوان میں شہیدوں کی طرح سرخُرو ہو کر لازوال ہو گئے۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ ایسے ہی منفرد انسانوں میں سے تھے۔ وہ احیائے دین ہی کے لیے جیے۔ اِسمی اور رسمی مسلمانوں کو سچا اور کھرا مسلمان بنانے کے لیے دن رات جدو جہد کرتے رہے۔ طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ اور اسی مقدس جدو جہد میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة

شیخ موصوف بارھویں صدی ہجری میں منظر عام پر آئے۔ اس وقت امت مسلمہ کے فکر و عمل کا کیا حال تھا؟ یہ ایک دل دوز داستان ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت نے رب العزت کی بندگی فراموش کر دی تھی۔ عقلوں پر نیند طاری تھی، ظنون و اوہام کی پیروی کی جا رہی تھی، ذلت و مسکنت چھائی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے بے شمار مسلمانوں کی پیشانیاں قبروں اور آستانوں پر جھکی ہوئی تھیں۔ مصر میں بدوی و رفاعی، عراق میں سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت حسین رضی اللہ عنہما،

امام ابو حنیفہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی، یمن میں ابن علوان، مکہ مکرمہ اور طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ خاص طور پر اہل نجد اخلاقی انحطاط کا شکار تھے۔ لوگوں کا بہت بڑا طبقہ صدیوں سے مشرکانہ عقیدوں کی زندگی بسر کرتا چلا آ رہا تھا۔ جبیلہ میں حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر اور وادیٔ غیرہ میں حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کا قُبّہ شرک و بدعت کے اعمال کا گڑھ بن گیا تھا۔ علاقہ بلیدۃ الفداء میں ایک پرانا درخت تھا، اس کے بارے میں یہ عقیدہ عام تھا کہ یہ لوگوں کو اولاد عطا کرتا ہے۔ اس فاسد عقیدے کی وجہ سے بے شمار عورتیں آتی تھیں اور اس درخت سے چمٹی رہتی تھیں۔ درعیہ میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے منسوب قبروں پر جاہلانہ عقیدت کے مظاہر عام تھے۔ اسی علاقے کے قریب ایک غار تھا، یہاں لوگ شرمناک افعال انجام دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جیسے مقدس شہر بھی شرک و بدعت کے افعال سے محفوظ نہیں تھے۔ مسجد نبوی میں عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد کے قریب مشرکانہ صدائیں بلند کی جاتی تھیں اور غیر اللہ کے وسیلوں سے مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ ایک موقع پر شیخ محمد رحمہ اللہ مسجد نبوی میں موجود تھے۔ لوگ استغاثہ واستعانت کی صداؤں میں گم تھے اور عجیب و غریب حرکتیں کر رہے تھے۔ اسی لمحے تدریسِ حدیث کے جلیل القدر معلم محمد حیات سندی رحمہ اللہ جو شیخ محمد کے اتالیق بھی تھے، وہاں آ گئے۔ شیخ نے جاہلانہ حرکتیں کرنے والوں کی طرف اُنگشت نمائی کی اور پوچھا: ان لوگوں کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟ موصوف نے معاً سورۂ اعراف کی یہ آیت پڑھی:

﴿ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾

''یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ باطل ہے اور نیست و نابود ہو کر رہے گا۔''[1]

مذہبی حالت کے علاوہ عرب کی سیاسی اور سماجی حالت بھی خراب تھی۔ عثمانی ترکوں کی

[1] الأعراف 7:139.

حکمرانی کا سکہ چل رہا تھا، نجد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ خانہ جنگی عام تھی۔ فقر و فاقہ مسلط تھا۔ ترکوں کے زیر اہتمام مصر سے رقوم آتی تھیں اور مزاروں کے مجاوروں اور متولیوں میں بانٹی جاتی تھیں۔ لوگوں کی گزر بسر مزاروں، قبروں اور آستانوں کی مجاوری، گداگری اور لوٹ کھسوٹ پر موقوف تھی۔ یہ حالات دیکھ کر شیخ کا حساس دل تڑپ اٹھا اور وہ لا إله إلا الله محمد رسول الله کی دعوت کا پرچم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے: ① عقیدہ و عمل کی بنیاد صرف قرآن و سنت کی تعلیمات پر رکھی جائے۔ ② نماز، روزہ، حج اور ادائے زکاۃ کا التزام کیا جائے۔ ③ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات صرف اسی کی ذاتِ عالی سے وابستہ ہیں، ان میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ④ ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے، پس اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہ مانگا جائے۔ ⑤ پختہ قبریں اور مقبرے نہ بنائے جائیں۔ ⑥ شراب، تمباکو، جُوا، جادو، ریشم اور سونا نہایت سختی سے ممنوع ہے۔

شیخ رحمہ اللہ کا جذبۂ حق پرستی بڑا پُر جوش تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی دعوت ہر مسلمان کے رگ و ریشے میں نفوذ کر جائے اور برگ و بار لائے۔ انھوں نے دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ ان کے والد جناب عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنے نورِ نظر کی حق پرستی اور علمی وجاہتوں سے اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے خود نماز پڑھانی موقوف کر دی اور اپنے داعی الی اللہ بیٹے کو آگے بڑھا کر امامت کے مُصلے پر کھڑا کر دیا۔ شیخ رحمہ اللہ نے اپنے اہل خانہ، عزیز و اقارب اور عیینہ کے رہنے والوں کے علاوہ دور و نزدیک کے تمام اکابر و اصاغر کو اصل دین کی طرف رجوع کی دعوت دی۔ موصوف کا خیال تھا کہ با اثر حکام کی مدد حاصل کیے بغیر دعوت کا کام آگے نہیں بڑھے گا، چنانچہ انھوں نے امیر عیینہ عثمان بن معمر کو قبولِ حق کی دعوت دی تو اس نے خوشی سے قبول کر لی لیکن ملال کی بات یہ ہے کہ وہ اس عظیم دعوت پر استقامت نہ دکھا سکا۔ شیخ نے عثمان بن معمر کو اپنی رفاقت میں رکھ کر نماز باجماعت کا اہتمام کیا جو پہلے اس علاقے میں مفقود تھا۔

نماز نہ پڑھنے والوں اور جماعت کا التزام نہ کرنے والوں کے لیے سزائیں تجویز کیں۔ شرک و بدعت کے اڈوں کا صفایا کر دیا۔ جن درختوں کی پوجا کی جاتی تھی وہ کٹوا دیے اور جن قبروں اور قبوں کو ملجا و ماوٰی سمجھا جاتا تھا، انھیں ڈھا دیا۔ یہ کوئی انوکھا اقدام نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سے دینی مصالح کی بناء پر وہ درخت کٹوا دیا تھا جس کی چھاؤں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعتِ رضوان ہوئی تھی۔ پکی قبروں اور قبوں کو مسمار کرنے کے بارے میں علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ اپنی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں فرماتے ہیں: و تجب المبادرة لهدمها وهدم القباب التي على القبور إذ هي أضر من مسجد الضرار یعنی قبروں اور ان پر بنے ہوئے قبوں کو فورًا مسمار کر دینا چاہیے، اس لیے کہ یہ "مسجد ضرار" سے بھی زیادہ خطرناک ہیں"۔ واضح رہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب زیارت قبور کے خلاف نہیں تھے۔ وہ ان مشرکانہ رسوم اور خرافات کے خلاف تھے جو قبروں اور آستانوں پر روا رکھی جاتی تھیں۔ اسی موقع پر آپ نے تبلیغی رسالے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا جو مرتے دم تک جاری رہا۔

عیینہ میں اصلاحِ عقیدہ و عمل کا کام آہستہ آہستہ پھیلتا جا رہا تھا کہ ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ ایک لڑکی کسی کمزور لمحے میں جوانی کی بھول کا شکار ہو گئی۔ یہ لڑکی شادی شدہ تھی۔ اپنے گناہ پر بہت نادم ہوئی۔ شیخ کی خدمت میں پہنچی۔ سارا ماجرا سنایا اور سبیلِ نجات کی خواہش ظاہر کی۔ شیخ اس لڑکی کی روداد سن کر سناٹے میں آ گئے۔ انھوں نے اس المیے کے تمام پہلوؤں کی چھان پھٹک کی اور اس بدقسمت لڑکی پر بار بار جرح کرتے رہے۔ وہ ہٹ کی پکی تھی، ٹلی نہیں۔ رہ رہ کر اقرارِ گناہ کرتی رہی، چنانچہ شیخ نے سنگساری کا فیصلہ سنا دیا اور عثمان بن معمر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس لڑکی کو سنگسار کر دیا۔

لڑکی کے سنگسار ہو جانے کی خبر سارے نجد میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس زمانے

میں یہ اپنی نوعیت کا انوکھا واقعہ تھا۔ جس نے سنا دم بخود رہ گیا۔ خاص طور پر وہ مالدار لوگ بہت گھبرائے جو زر خرید عیاشیوں سے رتجگے کرتے تھے۔ اللہ اللہ! اللہ رب العزت کے احکام کی تعمیل میں کس قدر برکتیں اور خیر کثیر چھپی ہوئی ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل نہیں کیا جاتا، اس وقت تک ان حکموں میں چھپی ہوئی زبردست حکمتیں اور فیوض و برکات بھی عیاں نہیں ہوتے۔ اس کا اندازہ اسی سنگساری کے واقعے سے لگایئے کہ جونہی یہ واقعہ رُونما ہوا سابقہ حالت یکسر بدل گئی اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت گھر گھر پھیل گئی۔ پہلے کوئی شیخ کی بات پر توجہ نہیں دیتا تھا، اب سبھی شیخ کی طرف متوجہ ہو گئے اور ہر جگہ انھی کی تحریک کا چرچا ہونے لگا۔

ہوتے ہوتے یہ خبر حکام بالا کو پہنچی۔ احساء و قطیف کا حاکم اعلیٰ سلیمان بن محمد عزیز حمیدی بدمعاش اور عیاش آدمی تھا۔ اسے یہ خبر سن کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے امیر عیینہ عثمان بن معمر کو فورًا لکھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے ہاں ایک مطوع شرعی فیصلے لاگو کر رہا ہے۔ اسے فورًا قتل کر دو ورنہ ہم تمھیں جو سالانہ بارہ سو دینار اور دیگر امداد بھیجتے ہیں، وہ بند کر دی جائے گی۔ عثمان بن معمر یہ حکم نامہ پا کر سراسیمہ ہو گیا۔ اسے اپنے منصب اور درہم و دینار چھن جانے کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے شیخ محمد کو عیینہ سے باہر نکل جانے کا حکم دے دیا۔

جو لوگ اللہ رب العزت کو اپنا دل دے دیتے ہیں، ان کے لیے اپنے وطن کے مالوفات بھی کوئی کشش نہیں رکھتے۔ وہ جہاں جاتے ہیں، نیکی کے بیج بوتے ہیں اور اعمال صالحہ کی فصلیں تیار کرنے لگتے ہیں۔ شیخ نے جلا وطنی کا حکم صبر اور سکون سے سنا۔ وہ بڑی بے بسی اور تہی دامنی کی حالت میں عیینہ سے نکلے۔ درعیہ کا قصد کیا۔ بے آب و گیاہ صحرا کی وسعتیں تھیں، شدید گرمی تھی، کڑی دھوپ پڑ رہی تھی اور شیخ رحمہ اللہ تن بہ تقدیر پیدل چلے جا رہے تھے ؎

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

پیچھے پیچھے عثمان بن معمر کا فرستادہ سپاہی فرید الظفیری گھوڑے پر سوار چلا آتا تھا۔ اس نے ویرانے میں شیخ کو قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھانا چاہا مگر اللہ کی ایسی زبردست نصرت آئی کہ وہ اس مذموم ارادے سے خود ہی ڈر گیا اور الٹے پاؤں عیینہ بھاگ گیا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب درعیہ پہنچے۔ امیر درعیہ محمد بن سعود اور ان کے بھائیوں نے شیخ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ موصوف نے محمد بن سعود کو بھی دعوتِ حق کی ترغیب دی جو اس نیک بخت انسان نے قبول کر لی۔ یوں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور خاندانِ سعود میں باطل عقائد کے خاتمے اور اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ کا معاہدہ طے پا گیا۔ اس کی برکت سے وہ عظیم الشان انقلاب ظہور میں آیا کہ خاندان سعود کو اللہ تعالیٰ نے پورے ملک کی فرمانروائی عطا کر دی۔ اور سارے جزیرہ نمائے عرب سے شرک و بدعت اور مکروہات وخرافات کا خاتمہ ہو گیا۔ آج وہاں توحید کے زبردست حسنات و برکات کا کھلے عام مشاہدہ ہو رہا ہے۔ الحمدللہ! دنیا بھر میں کہیں اتنا امن و استحکام اور عدل و انصاف موجود نہیں جتنا سعودی عرب میں ہے۔ یہ سب کچھ شرک و بدعت کے خاتمے اور دین قیم کے نفاذ کا فیضان ہے۔

کسی دعوے یا دعوت کی سچائی پرکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے داعی کا عمل دیکھا جائے اور یہ جانچا جائے کہ وہ دنیاوی شان و شوکت، مال و زر، اونچے عہدے اور نفسانی مطلوبات ومرغوبات کا دل دادہ تو نہیں ہے؟ اگر وہ ان چیزوں سے دور ہے تو یقیناً سچا ہے۔ اس کسوٹی پر شیخ محمد کو پرکھا جائے تو وہ کامل معنوں میں سچے، کھرے، مخلص، بے لوث اور مثالی مسلمان نظر آتے ہیں۔ بے داغ صداقت کی وجہ سے تمام اہلِ نجد شیخ محمد کے فدائی بن گئے تھے اور شیخ کے کیریکٹر کی بلندی اور دعوت کی سچائی کی بدولت سارا نجد شیخ کی زندگی ہی میں خاندانِ سعود کے زیرنگیں آ گیا تھا۔ امیر محمد بن سعود اور ان کے جانشین امیر عبدالعزیز شیخ کی

راہوں میں آنکھیں بچھاتے تھے اور ان سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ مگر شیخ نے اپنے اس عالی رتبے سے کبھی کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ دعوت الی اللہ ہی کے فروغ کی دھن میں سرگرم عمل رہے۔ کسی اونچے منصب، عیش و راحت یا دنیاوی مال و دولت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ انھوں نے اپنی اولاد کو بھی اعلیٰ درجے کی دینی تعلیم و تربیت دی اور دنیاوی جاہ و حشم اور مال و زر کی طمع سے دور رکھا۔ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ آج بھی ان کی اولاد و احفاد سعودی عرب میں عظیم دینی خدمات انجام دے رہی ہے۔ اور کسی دنیاوی منصب یا منفعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ شیخ کی اولاد سعودی عرب میں ''آلِ شیخ'' کے نام سے معروف ہے اور انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں جب بھی دعوتِ حق کا ظہور ہوا ہے، اس کا واسطہ تین طرح کے لوگوں سے پڑا ہے: ① وہ لوگ جنھوں نے دعوت قبول کر لی۔ ② وہ لوگ جنھوں نے قبول نہیں کی اور چپ چاپ اپنی ڈگر پر چلتے رہے۔ ③ اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنھوں نے نہ صرف دعوت قبول نہیں کی بلکہ وہ داعی اور دعوت کے دشمن بن گئے اور آخر دم تک دعوتِ حق کا چراغ بجھانے کی مذموم کوشش کرتے رہے...... ہر داعیِ حق کی طرح شیخ محمد بن عبدالوہاب پر بھی یہی ماجرا گزرا۔ انھوں نے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی۔ ان کی ساری دعوت، تمنا اور تڑپ صرف یہ تھی کہ مسلمان فضول باتیں ترک کر دیں۔ قرآن و سنت کی طرف پلٹ آئیں اور سچے عملی مسلمان بن جائیں۔ بنا بریں بارھویں صدی ہجری کی اتنی سچی، اتنی پاکیزہ اور اس قدر دِل رُبا انقلابی دعوت کو دوسری صدی ہجری کی خارجی وہابیت سے منسوب کرنا حق و صداقت کی آخری توہین اور عہدِ جدید کا سب سے بڑا افراڈ ہے۔

فرنگی سامراج، ترکی اور مصری مدتوں شیخ رحمہ اللہ پر رکیک حملے کرتے رہے۔ ان کی کمک پر مامور یا مجبور علماء، مزاروں کی آمدنی سے مالا مال پیر فقیر، ان کے مرید اور متوسلین بھی کم و بیش

ڈھائی سو سال سے الزام و دشنام کے تیر برساتے آ رہے ہیں۔ اگر ایک انسان کا قاتل پوری انسانیت کا قاتل ہے تو شیخ محمد کی دعوتِ حق پر جھوٹے الزامات لگانے اور سچائی کا خون کرنے والوں کو کیا کہا جائے گا؟

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

کچھ فاضل مؤلف کے بارے میں

اس کتاب کے مؤلف ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر، شقراء میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ معہد علمی، ریاض، پھر کلیة اللغة العربیة سے فراغت حاصل کی۔ 1967ء میں بیروت میں یونسکو کے ریاستی مرکز سے ڈپلوما تربیہ کیا۔ 1973 میں، قاہرہ یونیورسٹی سے ڈپلوما احصائیات کیا۔ سربراہان اعلیٰ لیبر فورس انسٹی ٹیوٹ سے تین آفیشل ٹریننگ کورس کیے۔ 1973ء میں ازہر یونیوسٹی، قاہرہ سے ایم، اے کیا۔ 1977ء میں ازہر یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی (معہ آنرس) ڈگری حاصل کی۔ شعبہ تعلیم میں وزارتِ معارف، پھر صدر دفتر برائے تعلیم نسواں میں کام کیا۔ آجکل مشیر دفتر سماحۃ مفتی عام مملکہ عربیہ اور اسلامک ریسرچ میگزین کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ اندرون اور بیرون ملک کانفرنسوں، سیمناروں اور جوبلیوں میں شریک ہوتے ہیں۔

ان کی بیس کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں جن میں تاریخ شقراء، تاریخ حائل نجد، 250 سال قبل، حمایة الإسلام للمرأة، المرأة بين نور الإسلام وظلام الجاهلية، مكافاة حسن الخلق اور عقوبة الجريمة في الإسلام، قابل ذکر ہیں۔ ریاض میں اصلاحی کلب اور جمعیت وغیرہ میں ثقافتی کمیٹی کے ممبر ہیں۔

مؤلف کے جواہر پارے

اولاً: إسلاميات

① حماية الإسلام للمرأة

② المرأة بين نور الإسلام وظلام الجاهلية

③ عقوبة الجريمة في الإسلام

④ حسن الخلق ومكانته وحقيقته

⑤ بين الشك واليقين

⑥ الأمن والأمان في القرآن الكريم

⑦ الغيبة والنمصة

⑧ وقفات مع أبي ريه في كتاب دين واحد

ثانياً: آداب

⑨ الحصريان

⑩ الحصرى القيراني والنقر في زهر الآداب

⑪ أبو الستمقمق ستاعر الفقر والسخرية

⑫ عبدالله بن رواحة رائد الستعر الجهادي في الاسلام

ثالثًا: تاریخ

⑬ فصول من تاريخ شقراء

⑭ فصول من تاريخ حائل نجد قبل 250عامًا

⑮ صحيح مفهوم تاريخي حول وعرة الشيخ محمد بن عبدالوهاب

مصادر و مراجع

	اسم الكتاب	اسم المصنف
1	انتشار دعوة الشيخ محمد بن عبدالوهاب خارج الجزيرة العرب	محمد كمال جمعه
2	الأحاديث القدسية	
3	الاستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصىٰ	أحمد الناصري
4	الأعلام	زركلي
5	الإعلام بمن حل مراكش و أغمات من الأعلام	عباس بن إبراهيم
	الإمام محمد بن عبدالوهاب	عبدالله بن سعد بن رويشد
6	الإمام محمد بن عبدالوهاب، دعوته و سيرته	شيخ عبدالعزيز بن باز
7	البيان المغرب في أخبار الأندلس و المغرب	ابن عذاري المراكشي
8	البيان المفيد فيما اتفق عليه علماء مكة و نجد من عقائد التوحيد_ الطبعة الأولىٰ	
9	البيان و الإشهار	الشيخ فوازن السابق
10	تاريخ أفريقيا الشمالية	شارلي أندري تعريب محمد مزالي و البشير بن سلامة
11	تاريخ الطبري	ابن جرير الطبري

12	تاريخ نجد	شيخ حسن بن غنام، تحقيق عبدالعزيز آل الشيخ و الدكتور محمد أسد
13	الترجمانة الكبرىٰ	
14	جامع الأصول في أحاديث الرسولﷺ	ابن الأثير
15	جامع الترمذي	
16	جريدة "عكاظ" جدة السعودية	
17	الحلل السندسية	شارلي أندري، تعريب محمد مزالي و البشير بن سلامة
18	الدرالسنية في فتاوى النجدية	جمع: سليمان بن سحمان
19	الدولة السعودية	الدكتور عبدالرحمن عبدالرحيم
20	رحلة بورك هارت لبلاد العرب	
21	رحلة عبر الجزيرة العربية	سادلير
22	روضة الناظرين من مأثر علماء نجد و حوادث السنين	محمد بن عثمان القاضي
23	سنن أبي داود	
24	السحب الوابلة على ضرائح الحنابلة	ابن حميد (مخطوط)
25	صحيح البخاري	
26	صحيح مسلم	
27	صحيفة(Islamika)الألمانية	مجلد: 7،سنة 1935م
28	عجائب الآثار في التراجم والأخبار	عبدالرحمان جبرتي
29	عقيدة محمد بن عبدالوهاب السلفية	الدكتور صالح بن عبدالله العبود

30	علماء نجد خلال ستة قرون	شيخ عبدالله بن عبدالرحمن البسام
31	عنوان المجد في تاريخ نجد	ابن بشير
32	في ظلال القرآن	سيد قطب
33	الفرق الإسلامية في شمال أفريقيا	الفردبل، ترجمة: عبدالله بدوي
34	الفِصل في الملل والأهواء و النحل	ابن حزم
35	قرآن كريم	
36	القول الفصل في مولد خير الرسل	الشيخ إسماعيل الأنصاري
37	الكامل	ابن الأثير
38	مؤلفات و رسائل الشيخ محمد بن عبدالوهاب	جمع و نشر جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض
39	محمد بن عبدالوهاب	أحمد بن حجرآل طامي
40	محمد بن عبدالوهاب ايك مظلوم اور بدنام مصلح	مسعود عالم ندوي
41	محمد بن عبدالوهاب، داعيةالتوحيد و التجديد في العصر الحديث	محمد بهجت الأثري
42	مجلة كلية الآداب بفاس (شعبة التاريخ)	
43	مجلة "البحوث الإسلامية" الرياض	شماره:60،سنة1421ه
44	مجلة "الدرعية" الرياض	شماره:4,3، 1419ه
45	مجلة "الفيصل" الرياض	شمارهٔ شوال: 1419ه
46	مشاهير علماء نجد	عبدالرحمن آل الشيخ
47	مصباح الظلام	شيخ عبداللطيف بن عبدالرحمن بن حسن

48	من أدب الدعوة في جنوب الجزيرة	
49	المصحف و السيف	جمع كرده: محدد الدين القابسي
50	المعيار المعرب في فتاوی أهل المغرب	أبو العباس الو نشريسي
51	المغرب الكبير	عبدالعزيز السالم، والدكتور جلال يحيى
52	الملل و النحل	الشهرستاني
53	الوثائق العثمانية، ج:2	الدكتور عبدالرحمن عبدالرحيم
54	الوهابيون و الحجاز	محمد رشيد رضا
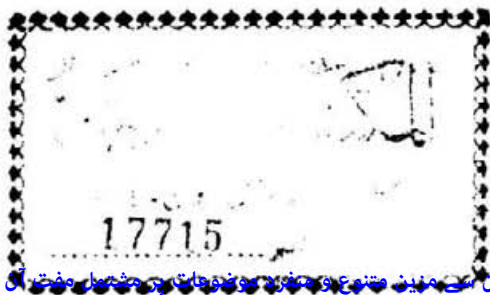
خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی دعوتِ توحید نے ایک دوسرے کے دشمن عرب قبائل کو متحد کر کے ساری دنیا کا امام بنا دیا تھا۔ پھر صدیوں کی گردشوں کے بعد ایسا زوال اور زلزلے آئے کہ مسلمان دنیا طلب اور راحت کوش بن گئے۔ قرآن و سنت کی صراطِ مستقیم سے دور جا پڑے۔ تاریخ کے جبر کا شکار ہو گئے۔ شرک و بدعت کی خندق میں گر گئے۔ ان کی ملی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور وہ وحدہ لاشریک کی بجائے قبروں اور آستانوں کو پوجنے لگے۔ رحمتِ پروردگار پھر جوش میں آئی۔ بارہویں صدی ہجری میں سرزمین عرب ہی میں رسول اللہ ﷺ کا ایک ایسا فدائی پیدا ہوا۔ جس نے اپنے ایمان و یقین، سوزِ باطن اور عمل پیہم سے قبروں اور آستانوں پر جھکی ہوئی پیشانیوں کو اٹھایا اور توحید ربانی کا درس دے کر ان کی مردہ رگوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ توحید کے اس فدائی، رسول اللہ ﷺ کے شیدائی اور دین قیم کے اس سپاہی کو دنیا امام محمد بن عبدالوہاب کے نام نامی سے جانتی ہے۔ یہ کتاب اسی جلیل القدر ہستی کے سوزِ باطن، فکر و نظر اور دعوت و تبلیغ کی سرگزشت ہے۔ امام موصوف کی دعوتِ توحید کو قبول عامہ نصیب ہوا تو سامراجی طاقتیں اور ان کے پٹھو علمائے سو چراغ پا ہو گئے اور انھوں نے اس دعوتِ حق کو بدنام کرنے کے لیے اسے ''تحریکِ وہابیت'' کہنا شروع کر دیا۔ فاضل مصنف نے مستند تاریخی حوالوں اور محکم دلائل و براہین سے اس تہمت کا پول کھول دیا ہے اور یہ حقیقت اجاگر کر دی ہے کہ امام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ امت مسلمہ شرک و بدعت سے کٹ کر اور ہر طرف سے ہٹ کر صرف قرآن و سنت کی طرف پلٹ آئے۔ یہ کتاب توجہ سے پڑھیے۔ آپ کو یوں محسوس ہوگا جیسے تاریخ آپ کے روبرو سانس لے رہی ہے۔

ISBN: 9960-9930-5-1

Book No. 70

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیو یارک